

ناولٹ

رخ چودھری

تیرے پاک لبس کا

خطا وارہوں



www.paksociety.com

www.paksociety.com



”ولید! اٹھ جاؤ اب۔ ولید! وہ پورے گھر میں چیخ مچ رہی تھی، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر میں اس وقت گھر میں ہوں تو یقیناً اپنے بیڈ روم میں ہی ہوں گا مگر کیا کیا جائے کہ اسے چیخنے چلانے کا بے حد شوق تھا۔

”اس کی آواز سننے ہی میں نے ٹی وی اور وی سی آر آف کیا اور آنکھیں بند کر کے خود کو سویا ہوا ظاہر کرنے لگا۔

”کس قدر پستی ہو تم۔ خدا کی پناہ ڈھائی بج رہے ہیں اور موصوف کو سونے سے ہی فرصت نہیں اور اوپر میں تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی ہوں۔“ وہ بلا ٹکلن بولتی میرے بیڈ کے پاس آکھڑی ہوئی۔

”اب اٹھ بھی جاؤ ولید یا قیامت کے دن ایک ہی دفعہ اٹھو گے۔“

میں ڈھٹائی سے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ تبھی اس نے تکیہ اٹھا کر پوری قوت سے مجھے دے مارا۔ میں ہڑپڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”کیا مصیبت ہے؟“ میرے تلملانے کا اس پر ہمیشہ کی طرح کوئی اثر نہیں ہوا۔

”مگر آدھی رات تک تم اپنے موبائل پر مصروف نہ رہو تو تمہاری روٹین میں خاصا فرق ہو سکتا ہے۔“ وہ جل کر بولی۔

وہ اپنے پراٹمینٹن لہجے میں مجھے سلگانے لگی۔

”آج سنڈے ہے، تمہاری ایڈوائزری سروس میں کس دن چھٹی ہوتی ہے؟“ میں خاصا چڑ گیا تھا۔

اس نے تانسف سے مجھے دیکھا۔

”شرم کرو ولید حیدر! اتنے بڑے ہو گئے ہو کیوں انکل کا بڑا بس بڑا کر رہے ہو۔ کبھی جو میں نے تمہاری رپورٹ ان کی ٹیمبل تک پہنچادی تو تمہیں بستر سمیت باہر کا راستہ دکھادیں گے پھر یہ ٹینا، شینا دکھائی بھی نہیں دیں گی۔“

یہ اس کا پسندیدہ ٹاپک تھا، یعنی سماج سدھارو۔ لیکچرز دینا خصوصاً مجھے میں نے بیزاری اور آکٹاہٹ سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

”خدا کے لیے اذی اپنا یہ لیکچر بند کرو۔ سب کی اصلاح کا ٹھکانا تو تم نے لے لیا ہے مگر کبھی اپنی زبان کو کلام کی بات کہنے کی ٹریننگ بھی دے لو۔“

”بزرگوں نے کہا ہے کہ زیادہ سونا نحوست کی نشانی ہے۔“ وہ بڑے مدبرانہ انداز میں بولی تو میں ڈھٹائی سے بولا۔

”بزرگوں کی گرل فرینڈز نہیں ہوتی ہوں گی! انہیں خوب صورت خواب دکھائی نہیں دیتے ہوں گے، کبھی کسی نے یہ کہا ہوگا۔“

”بہت بری بات ہے ولید۔“

یہ اس کا مخصوص ”ماں“ والا اسٹائل تھا جو مجھے زہر لگاتا تھا، کیوں کہ وہ مجھ سے تین سال چھوٹی تھی اور میں چھبیس سال کا تھا۔ اونچا لمبا اور بٹول لڑکیوں کے ہینڈسم ڈیزائننگ وغیرہ تو جب وہ مجھے یوں سمجھاتی تھی تب مجھے فقط غصہ ہی آتا تھا۔

”تمہیں مجھ میں کبھی کوئی خوبی نظر نہیں آتی اس لیے یہ کوئی نئی بات نہیں۔“ میں نے تکیہ گھسیٹ کر گود میں رکھا اور بڑی بے پروائی سے کہا۔

”جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے۔“ وہ مجھے تپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ویری گڈ اور وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ: جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے

عمر بونہی تمام ہوتا ہے

”شاید تمہی نے کہا ہے؟“ میری معصومیت بھری برجستگی پر وہ جل کر رہ گئی۔ ”ایسی فضولیات صرف تم

کہہ سکتے ہو اور تمہیں دیکھ کر تو مجھے اس محاورے پر نچکا ہے۔“ وہ بظاہر بڑے سکون سے کہتے ہوئے یں برراجملن ہو گئی۔

”مگر یہ ”کھوتا“ اردو والا ہے تو ٹھیک ہے، کیونکہ واقعی بہت سی چیزیں سونے کے دوران کھو جاتی ہیں اگر یہ پنجابی والا ”کھوتا“ ہے تو بہت قابل اعتراض بات ہے۔“ میرے پر زور احتجاج پر وہ ہنس

”قابل اعتراض تو ہے مگر ”کھوتے“ کے لیے۔“

بس اب تو حد ہو گئی تھی۔ اس کی بات پر میں ہمیشہ لہجہ تلملا اٹھا۔

”اٹھو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔“

”کیوں بھئی؟ یہ نادر شاہی حکم کیوں؟ میرے کا گھر ہے۔“

”اذی!۔۔۔ میں غرایا مگر وہ ذرہ برابر بھی متاثر ہوئی۔ ایسے اطمینان سے بیٹھی مسکرا رہی تھی اس کو اب وارڈ سے نوازا جاتا ہو۔ اس کے چہرے نے مجھے تیار کیا۔

”تم آتی کیوں ہو میرا سر کھانے؟“

”آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ایک توپہ لکڑی مجھے بڑے گوشت کا پرہیز بتایا ہے، یہ کہ کھو کھلی اور اندر سے خالی چیزیں مجھے پسند۔“ وہ رسانییت سے بولی تو میں دانت پر دانت اسے گھورنے لگا۔

میری پھوپھو کی یہ اکلوتی بیٹی ذہن ہونے کے ساتھ دوسروں کا دماغ خراب کرنے میں بھی بیانی نہیں تھی اس کی جو بات مجھے بہت بری لگتی تھی وہ یہی تھی اسے دوسروں کو خصوصاً ”مجھے“ خواجوا کے دینے کی لت تھی، اگر یہ عادت وہ چھوڑ دیتی تو میں۔

”میرے خیال میں اب تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ جی جاؤ۔“ میں دانت پیس کر بولا تو اس نے مزے لے لے کر اطلاع پہنچائی۔

”تمہاری کسی سیلی کافون آیا تھا۔“

مگر اس کی اطلاع کا مجھے کچھ اثر نہیں ہوا، کیونکہ میری تمام فرینڈز کے پاس میرا موبائل نمبر تھا۔ اس صورت میں گھر فون کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یقیناً ”میرا اطمینان سمجھ گئی تھی۔“

”در اصل، کھوڑی دیر پہلے جب میں آئی تھی تو تم شاید باتھ روم میں تھے۔ فون ڈیڈ بڑا ہے۔ سو میں تمہارا موبائل لے گئی تھی کال کرنے کے لیے اور پھر مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ موبائل واپس رکھ جاؤں ابھی جب میں اور انکل بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو تمہاری گرل فرینڈ کا فون آگیا۔ مجبوراً ”مجھے“ انکل کے سامنے ہی بات کرنا پڑی۔“

وہ بڑی معصومیت سے بولتی مجھے زہر سے بھی بری کوئی چیز لگ رہی تھی۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ میرا موبائل لے کر ہی اس لیے گئی تھی کہ ڈیڈی کو میری سوشل ایکٹیویٹیز کے متعلق بتا کر میرا بھرم توڑ سکے جو میں نے ڈیڈی کے سامنے بہت شریف اور فرماں بردار بچے کا سا بنا رکھا تھا اسی لیے اس لڑکی سے میری کبھی بی بی نہیں تھی۔

”تم اسٹوپ!۔۔۔“

”اے خبدار! وہ تیزی سے میری بات کٹ گئی۔

”تم اس طرح کی حرکتیں مجھے تنگ کرنے کے لیے کرتی ہو، اور اس لیے کہ ڈیڈی کے سامنے میری شخصیت مشکوک ہو جائے۔“ میں ساگا تو وہ استہزائیہ انداز سے ہنسی۔

”ہاں۔۔۔ شخصیت۔۔۔ شکر کرو میں نے تمہاری عزت رکھ لی۔ میں تو فون آئے ہوں گے خدا جھوٹ نہ بلوائے اور سبھی لڑکیوں کے جی تو چاہ رہا تھا کہ انکل سے بھی تعارف کراؤں مگر ترس آگیا تم پر۔“ وہ احسان جتانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

”ہو نہ ہو۔۔۔ میں باز آیا تمہاری ڈپلومیسی سے۔“

میں نے طنز کیا تو وہ شانے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم اب کچھ بھی سمجھو ویسے کسی شہانہ فاروقی کا فون تھا۔“

اس کی بات پر میرے کان کھڑے ہوئے۔ مجھے

یقین ہو گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے کیونکہ شاہانہ فاروقی سے میری دوستی ہوئے ابھی ہفتہ بھر ہی ہوا تھا اور اس سے پہلے بھی اس نے فون نہیں کیا تھا۔
”ویسے میں نے تو تمہارا بھلا ہی چاہا تھا اب اگر تم احسان فراموشی دکھاؤ تو الگ بات ہے۔“

مجھے حیرت ہوئی۔ یہ میری خیر خواہ کب سے بن گئی۔ اس کے جانے کا ارادہ بھانپ کر میں نے اپنے لہجے میں خوشگوار سمولی۔

”چھامیڈم خیر خواہ مان لیا تمہارا احسان۔ اب پیغام تو دے دو اس کا۔“ میرے دل میں کھدک سی جگمگائی تھی۔ شاہانہ فاروقی بہت ٹاپ کی شے تھی۔ بے حد ماؤ بولڈ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بہت حسین۔ وہ گہری سانس لے کر دروازے کی طرف بڑھی۔

”آج ملنا چاہ رہی تھی تم سے۔ میں نے تمہاری طرف سے اسے اچھی سی جگہ پر ملنے کا ٹائم دے دیا ہے۔“

اس کی بات پر میرا دل خوش ہو گیا۔ میں تکیہ پر سے پھینک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”میرے خیال میں زندگی میں پہلا کام تم نے اچھا بلکہ بہترین کیا ہے وہ بھی میرے حق میں۔“

وہ دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھے میری طرف مڑی۔ اس کے لبوں پر بہت محفوظ کن مسکراہٹ تھی۔ وہ پہلی مرتبہ مجھے بہت اچھی لگی تھی۔

”کتنے بچے اور کہاں؟“ میں نے بڑی خوشگوار سے پوچھا تو اس کی شرمیلی آنکھیں چمکیں۔

”چھیک پانچ بچے چڑیا گھر میں بندروں کے پیچھے کے پاس۔“

اس کی بات پر میں بھونچکا رہ گیا۔ جب تک میں بات سمجھ کر دانت پیتا اس کے پیچھے بڑھا وہ دروازہ کھول کر اڑ پھو ہو چکی تھی۔

اب میں تھا اور میری کیفیت۔

کیا سوچ رہی ہو گی شاہانہ فاروقی۔
”گنتی امپر لیس تھی وہ مجھ سے میری ذہانت و جاہت اور میرے بظاہر لیے دیے رہنے والے طور

طریقوں سے۔“ اف۔ میں نے بستر پر بیٹھ کر دو لوگوں ہاتھوں میں اپنے پال جکڑ لیے۔
شاہانہ فاروقی جیسی لڑکی سے ملاقات اور وہ بھی چڑیا گھر میں۔ سونے پر سہاگہ بندر کے پیچھے کے پاس۔ ڈیم فول۔

”اڈی حبیب! کبھی ہاتھ لگیں تو بتاؤں گا تمہیں کہ تنگ کرنا کسے کہتے ہیں۔“ میں نے خیالوں ہی خیالوں میں اس کو مخاطب کیا۔ اس سے کبھی نہ کبھی بدلہ لینے میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

”ہاں۔“ میں ٹھنڈی آہ بھر کے بستر پر گیا۔ شاہانہ فاروقی مجھے بہت دور جاتی محسوس ہو رہی تھی۔

♣ — * — ♣

میں کلب سے لوٹا تو گیٹ سے گاڑی اندر لا رہی میری نظر اڈی پر پڑ گئی۔ وہ ڈیڈی اور پھوپھو کے ساتھ لائن میں بیٹھی شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ میرا ہفتہ بھر پرانا غصہ پھر سے عود کر آیا۔ اس سے میں اس سے بات تک نہیں کر رہا تھا۔

پوریج میں کھڑی کر کے انہی کی طرف بڑھ گیا اگر وہ ہوتی تو میں اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتا۔ اس وجہ سے شاہانہ فاروقی سے میری ان بن ہو گئی تھی۔

کا کہنا تھا کہ تمہاری کزن نے میری بے عزتی کی تھی مجھے شاہانہ فاروقی کی تنگ نظری پر حیرت ہوئی۔

چاہتی تو اڈی کی بات کو مذاق سمجھ کر نظر انداز کر سکتی مگر وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھ بیٹھی تھی۔ سو میں بھی اس سے قطع تعلق کرنے میں دیر نہیں کی۔

اڈی پر غصہ ویسے ہی شدید تھا۔ کل کلاں وہ پھر لائی فضول حرکت کر سکتی تھی۔

”السلام علیکم پھوپھو۔“ میں پھوپھو کے آگے انہوں نے حسب عادت میری پیشانی چوم کر سر پھیرا۔ میں ڈیڈی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کبھی خود سے بھی ملنے آجایا کرو میری بہت دور گھر نہیں ہے۔“ پھوپھو مجھ پر خفا ہوئے

میں نے اب آگاہ غلط اس پر ڈالی وہ مزے سے ہانپ رہی تھی۔

دوسوں سے حقل کر رہی تھی۔

”یہ بات نہیں پھوپھو دراصل میں بہت بڑی تھا۔“ وہ دونوں سے تو بس اسی لیے۔ میں شرم سار سا بولا

”واقعی ای! آپ نہیں جانتیں انہیں تو اپنے لہجے سے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی۔ کبھی

کا فون کبھی دوسری کا فون۔ آئی میں پارٹی کل۔“ اس کا انداز میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا اس کے

دل پر پھیلی شریر سی مسکراہٹ مجھے تیار ہی تھی۔ ”واقعی ولید محنت بہت کر رہا ہے۔ میری توساری

میرا اب ختم ہو گئی ہیں۔“ ڈیڈی کے پر محبت لہجے میرے اندر تک ٹھنڈک ڈال دی۔ میں نے

انہ نظروں سے اسے دکھا تو وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی ہو نہ ہو۔ جیسی۔

”اور تمہارا ٹینس کیسا جا رہا ہے؟“ پھوپھو نے جوس کا گلاس میری طرف بڑھاتے

ہمارے پوچھا۔ جالاں کہ انہیں ٹینس کی الف بھی واقفیت نہ تھی مگر وہ میری ہر بات میں بہت

توجہ دیتے تھے اور یہ ان کی مجھ سے شدید محبت اور

فرسٹ کلاس پھوپھو۔ فل ٹائم دوں تو ورلڈ

جیت سکتا ہوں۔“ میں نے اکثر کہا۔ تو اس نے

بنا جیسے بمشکل ہنسی روکی ہو۔

”میں نے وی کو کھیلتے دیکھا ہے کلب اس کی گیم کو پسند کرتے ہیں۔“ ڈیڈی اکثر

ہاتھ کلب چلے جاتے تھے اس لیے انہوں

اصلہ بڑھایا۔

”انکل تھیل کھیلنے میں تو یہ واقعی چیمپئن

سرہلا کر بظاہر میری مدد سرائی کر رہی تھی مگر

انداز محسوس کر کے میرا جوس زہرین گیا

بمشکل لبوں پر مسکراہٹ چپکار رکھی تھی۔

پھوپھو انکل کیوں نہیں آئے؟“ میں بمشکل

ارٹے ہوئے پھوپھو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کی تمہاری طرح بڑی رہتے ہیں۔“ ان کے

لہجے میں ہلکا سا شکوہ پا کر میں ہنس دیا، تبھی وہ جلدی سے

بولی۔

”ہ کریں امی پاپا ان کی طرح کب بڑی ہوتے

ہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اب میرا ضبط جواب

دے رہا تھا۔ میں نے بھنویں اچکا کر ناگواری سے

پوچھا۔

”بھئی پاپا گھر میں پورا پورا ٹائم دیتے ہیں جبکہ تم تو

ہر وقت بڑی رہتے ہو حتیٰ کہ فون پر بھی۔“ وہ بڑے

آرام سے میرے خون کا دباؤ بڑھا رہی تھی۔ اگر وہ اکیلی

ہوتی تو یقیناً میں اب تک اس کا گلہ دیا چکا ہوتا کیونکہ

اس کی باتیں اسی عمل کی متقاضی تھیں۔ وہ بات کرتی

تھی تو ہر دم یہی احساس مجھے گھیرے رہتا تھا کہ کہیں وہ

ڈیڈی کو کچھ نہ بتا دے۔ بس مجھے پتا نہیں کیوں اچھا

نہیں لگتا تھا کہ ڈیڈی میری کسی بھی بات سے بد دل

ہوں۔

میں شروع سے یعنی اسکول کے زمانے سے

صنف نازک میں بہت مقبول رہا ہوں اور چونکہ

بد قسمتی سے اڈی بھی اسی اسکول اور کالج میں میرے

ساتھ بڑھتی تھی اس لیے میری ہر ایک ویلی اس کی نظر

میں آتی تھی۔ باوجود اس کے کہ وہ میری کلاس فیلو

نہیں تھی۔

اسے جلانے کے لیے مزے سے بولا۔ پھوپھو نے میری ہاں میں ہاں ملائی تو وہ مجھے گھورنے لگی۔ پھر جتانے والے انداز میں بولی۔

”تمہارے جتنی محنت کوئی کوئی ہی کرتا ہے۔“

”ارے مجھے کہاں محنت کرنی پڑتی ہے۔ کامیابیاں خود ہی میری طرف بھاگتی ہیں۔“ میں نے گلاس ٹیبل پر رکھ کر معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

”ماشا اللہ بہت لائق ہے میرا بیٹا۔“ پھوپھو بدبو دیاں۔

”بہت سے بھی کچھ زیادہ ہی لائق ہے۔“ وہ بدبو دلائی۔

”میرے خیال میں میں ذرا کپڑے چنچ کر لوں پھر باتیں کریں گے۔“ میں نے مناسب سمجھا کہ نارمل حالات میں ہی اٹھ جاؤں ورنہ وہ تو کسی کا بھی دماغ خراب کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی۔ یوں بھی میں کھیل کر آیا تھا تو اب صرف شاور لینے کی خواہش ہو رہی تھی۔

میرے ساتھ ہی وہ لوگ بھی اٹھ کر لاؤنج میں آگئے جبکہ میں اپنے کمرے میں چلا آیا اور کپڑے نکال کر فوراً نہانے کے لیے کھس گیا۔

میں بال سنوار کے لاؤنج میں آیا تو اڈی میگزین میں غرق تھی جبکہ پھوپھو اور ڈیڈی ادھر ادھر کی باتوں میں مگن تھے۔

میں پھوپھو کے پاس جا بیٹھا۔ یونہی باتوں میں بات نکلتی چلی گئی۔

”بہت رکھ لیا اسے اب اس کی شادی کر دیں۔“ میں نے پھوپھو کی کسی بات کے جواب میں جان بوجھ کر زور سے کہا تو اس نے اک نظر مجھ پر ڈالی اور پھر سے میگزین میں ڈوب مری۔

”کی تو میں کہہ رہی ہوں بھائی جان سے کہ اسے سمجھائیں۔“ وہ فوراً بولیں۔ ڈیڈی فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”کیوں اڈی بیٹے کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے سانس اندر کھینچتے ہوئے میگزین سائیڈ پر

ڈال دیا۔

”مسئلہ تو کچھ گہیر نہیں ہے انکل بس کوئی اتن قابل ملا تو۔“

”واہ۔ کیا غرور ہے۔“ میں نے اس کا

اڑایا۔ مگر وہ میری بات پر توجہ دینے بغیر بڑے سے اپنے انکل کی طرف متوجہ تھی۔

”پھر بھی بیٹا۔ کوئی ٹھنک کوئی آئیڈیل تو ہو گا ذہن میں؟“ ڈیڈی بہت دوستانہ انداز میں رہے تھے۔

”بس انکل کچھ ایسا ہی سمجھ لیں۔“ اس سراسر بات ٹالی تھی اور یہ بات میں اچھی طرح سمجھ کر گیا تھا۔

”اچھا جی۔ تو کیا ہونا چاہیے آپ کے آئیڈیل میں؟“ مجھے طنز کا ایک بہت اچھا موقع ہاتھ لگا تھا۔ میں بہت خوشگوار اور خوش دلی سے پوچھ رہا تھا۔

”اسے بس میرا آئیڈیل ہونا چاہیے۔“ وہ سے بات ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلیں امی اب بیٹا آگئے ہوں گے شاید۔“

مجھ سے ایک مرتبہ پھر فاش غلطی ہو گئی تھی میں کلب جاتے ہوئے حسب عادت و معمول موبائل ساتھ لے جانا بھول گیا۔ مجھے اس احساس تب ہوا جب شام کو گھر آکر میں نے اڈی کی ریسیو کیا۔

”کیا ہے؟“ میں نے لٹھ مار انداز اپنایا۔

”دوپہر کو میں تمہارے ہاں تھی اس تمہارے موبائل کی کالز مجبوراً مجھے ہی ریسیو پڑیں۔ کسی نئی کال فون تھا۔ آئی ٹھنک پہلے ہی فون آیا کرتا ہے۔“

اس کی باتوں نے میرا پارہ ہائی کر دیا۔ میں اس پر بریں پڑا۔

”میرے بیڈ روم میں کیوں تھی اور۔۔۔ اور میری چیزوں کو کیوں ہاتھ لگائی ہو؟“

”زیادہ فضول باتیں مت کرو۔ میں جانتی ہوں وہ تمہاری بہترین دوست ہے اس لیے میں نے کوئی بد تمیزی کیے بغیر اسے ”سٹی ٹاپ“ میں ڈنر پر انوائٹ کر لیا ہے تمہاری طرف سے۔ چاہو تو ساڑھے سات بجے تک پہنچ جانا۔ ٹیبل میں نے ریزرو کروالی ہے۔“

اس نے رکھائی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا تو اس کی بات پر میں کھل اٹھا۔

”آریو شیوس۔ کہ تم نے پھر سے کوئی مذاق نہیں کیا اس کے ساتھ؟“ میں نے ایک مرتبہ پھر سے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔

”پچھلی مرتبہ بھی تم ناراض ہو گئے تھے تو میں نے سوچا تمہاری دوستوں کو بہت اچھی سی جگہ پر ٹائم دینا چاہیے تاکہ تمہیں شرمندگی نہ ہو۔“ وہ خفا خفا سی بول رہی تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے جو غصہ بھرا تھا وہ اڑ پھو ہو گیا۔

”کمال کرتی ہو یا رہ بھلا تم سے میں کیوں خفا ہونے لگا اور وہ شہانہ فاروقی تو تھی ہی ایسی۔ ذرا سا مذاق برداشت نہیں کر پائی۔ ویسے اس مہمانی کا شکریہ۔“ میں نے فوراً دوستانہ لب و لہجہ اپنایا۔ تو وہ بے ساختہ ہنس دی۔

”اوکے۔ اب تم تیاری کرو ڈنر کی اور میں اپنے بچاؤ کی۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ میں چونکا۔

”آئی مین اگر انکل کو خبر ہو گئی تب میری تو شامت آتی ہی ہے۔“ وہ فوراً بولی تو میں نے بھی خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

میں بلیک سوٹ میں ملبوس میوٹن سنکل ٹاٹ والی ٹائی لگائے بالوں کو خوب صورتی سے سنوارے خوشبوؤں میں ڈوبا وقت سے پہلے ہی ”سٹی ٹاپ“ جا پہنچا۔ ویٹر نے ٹیبل تک میری رہنمائی کی۔ وقت گزارنے کے لیے میں نے اورنج جوس منگوا لیا اور اب میں جوس پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اڈی حبیب اتنی بری بھی نہیں جتنا میں سوچے ہوئے تھا۔

میں نے اکتا کر رسٹ وارج دیکھی۔ سہا سات بج

چکے تھے مجھے آئے پون گھنٹہ ہو رہا تھا تبھی میں چکرا گیا۔

”ہیلو ولید۔“ یہ عروسہ رضا تھی میں نے فوراً خود کو سنبھالا۔

”ہائے کیسی ہو؟“

”جیسی تمہیں لگتی ہوں بالکل ویسی ہوں۔“ وہ مسکرائی اور کرسی گھسیٹ کر میرے مقابل بیٹھ گئی۔

بلیک ٹائٹس اور پنک شرٹ میں وہ آفت لگ رہی تھی مگر مجھے اس آفت کا ڈر تھا جو آنے والی تھی یعنی نکی کا۔ مجھے کوفت ہونے لگی کہ یہ اس وقت یہاں کیوں آئی ہے۔

”تمہاری کزن بہت نائس ہے بہت اچھی طرح بات کر رہی تھی۔ اسی نے مجھے ڈنر کے متعلق بتایا۔“

ٹھینک یو سوچ ولید، تم مصروف رہ کر بھی مجھے یاد رکھتے ہو۔

اب کی بار میں واقعی چکرا گیا۔ میرا دماغ گھومنے لگا۔ یہ اڈی کی غلطی تھی یا۔۔۔ میں بمشکل مسکرایا۔

لیوں پر زبان پھیر کر اہیں تر کیا۔

”تمہیں نہیں تو اور کسے یاد رکھوں گا۔“ اب میرا دماغ تیزی سے اس صورت حال پر غور کرنے لگا تھا۔ یا تو اڈی کو نام کی غلطی ہو گئی تھی یا پھر اس نے نکی اور عروسہ کو جان بوجھ کر ایک ہی وقت دے دیا تھا۔

یا میرے خدا۔ ایسا تو پہلے زندگی میں کبھی میرے ساتھ نہیں ہوا۔ خیر اب یہ اتنی بری بھی نہیں۔ میں نے دل کو بھلایا۔ پر اب کم یہ تھی کہ میری تمام فرینڈز ایک دوسرے سے قطعی لاعلم تھیں۔ میں دل ہی دل میں سخت پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے دل میں خود کو مخاطب کیا۔

”ولید حیدر، آج تیری قلعی کھل جائے گی۔“ مگر خیر ہوئی جب ساڑھے سات بجے تک کوئی نہیں آیا۔ میں نے ویٹر کو کھانا لگانے کا آرڈر دے دیا۔

اب میں ریلیکس ہو کر عروسہ سے باتیں کر رہا تھا۔

بو کھلایا تو میں تب جب میں نے ٹوبہ شیخ اور نکی کو آگے پیچھے اندر آتے دیکھا۔

ولید حیدر تیری قلعی کھانے کا نام آیا ہے۔ میرے اندر کوئی بہت زور سے بکا رہا تھا۔ میں نے فوراً سے پشتر عروسہ سے ایک سکوز کیا اور واش روم میں چلا آیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت اذنی میرے سامنے ہوتی اور میں اسے شوٹ کر دیتا۔ میں بچتے بچاتے کاؤنٹر پر پہنچا اور ڈنر کی ایڈوائس بے منت کی۔ اب وہ تینوں تو شاید کھانا کھا کر ہی جاتیں یا شاید لڑجھڑ کر مجھے برا بھلا کہہ کر۔

میں وہاں سے فرار ہوا تو سیدھا پھوپھو کی طرف آیا۔ میرا دل غصے جیسے ابل رہا تھا۔ بس عتاب دماغی کی کیفیت میں پھوپھو سے سلام دعا کر کے میں نے اذنی کا پوچھا۔

”وہ شاید چھت پر گئی ہے یا پھر کمرے میں ہوگی کھانا کھاوے؟“

اب تو بس میں اذنی حبیب ہی کو کھاؤں گا۔ میں مسکرا کر انہیں انکار کرتا اس کے کمرے میں آیا وہ بستر پر نیم دراز جیسے سروں میں موزک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ میں اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی دندنا ہوا اس کے سر پر پھینچ گیا۔

”کتنی کھٹیا حرکت کی ہے تم نے۔ شرم نہیں آتی تمہیں؟“

وہ بے تحاشا چونک کر سیدھی ہوئی تھی پھر بے ساختہ مسکرا دی۔

”کیا کیا ہے میں نے؟“ وہ مصنوعی لاعلمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”کیا کیا ہے۔ یعنی یہ اب میں تمہیں بتاؤں کہ تم نے کیا کیا ہے؟“ میری آواز میں شعلوں کی سی لپک تھی۔ میں نے مٹھیاں بچھ کر بمشکل اپنا غصہ قابو کیا ہوا تھا۔

”کس کو نام دیا تھا تم نے ڈنر کا۔ نگار کو عروسہ کو یا ثوبہ کو؟“ میں نے غرا کر بوجھا تو وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بھئی اب مجھے کیا پتا ان میں سے خاص مقام تمہارے دل میں کس کو حاصل ہے اس لیے میں نے

تینوں کو انوائٹ کر لیا۔“

”حق لڑکی۔ اور جو میری بے عزتی ہوئی ہے وہ کس کھاتے میں ہے۔“ میں نے اسے غصے سے دھکیلا تو وہ بستر پر گر گئی۔

”کیا بے ہودگی ہے یہ؟“ اسے بھی غصہ آگیا۔ ”مار ڈالوں گا کسی دن تمہیں۔ تمیز نہیں ہے تمہیں کسی کام کی۔ آئندہ سے کبھی میرے کمرے میں داخل ہو میں یا میری کسی چیز کو تم نے چھوا تو ہاتھ اور پیر دونوں توڑ ڈالوں گا۔“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔ مجھے حقیقتاً اتنا غصہ آ رہا تھا کہ اسے مارنے کو جی چاہ رہا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تمہاری چیزوں کو چھونے کا۔ اور تمیز تمہیں نہیں ہے پہلے میں نے چڑیا گھر میں ملاقات کرائی تو غصہ آگیا۔ اب ہو مل میں کرائی تب بھی تمہاری اکڑ نہیں رہی اب تین تین خود ہی تم سے ملنے کا کہیں تو کیا کر سکتی ہوں میں؟“ وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

”یو آر ناٹ مائی سیکرٹری۔ تمہیں میرے معاملات میں مداخلت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی تمہیں ایسا کوئی حق ہے انڈر اسٹینڈ؟“ میں بہت سرد مہری سے گویا اپنے اس کے تعلقات کا خاتمہ کر کے وہاں سے لوٹ آیا۔ ڈیڈی کھانے پر میرا انتظار کر رہے تھے۔

”وہ یک مین۔ آج تو بڑے فارم میں ہیں جناب۔“ وہ پر ستائش انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے بولے تو میں زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلا کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”کہیں پارٹی تھی کیا؟“ انہوں نے میری تیاری دیکھ کر پوچھا تھا۔

”نہیں ڈیڈی بس یوسی۔“ میں انہیں ٹل کر نوران کو کھانا لگانے کا کہنے لگا۔ حلال کہ میری بھوک پیاس بھی میرے حواس کے ساتھ اڑ چکی تھی مگر ڈیڈی میرے بغیر ناشتا لے کر اور ڈنر نہیں کرتے تھے۔ اب اگر میں ہو مل سے ڈنر کے بعد بھی آتا تو ڈیڈی کا ساتھ

ضرور دیتا۔

میں بمشکل خود کو نارمل کر کے ڈیڈی سے باتیں کر رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک ہم برنس کے متعلق باتیں کرتے رہے اس کے بعد ڈیڈی لی وی دیکھنے لگے۔ میں کپڑے بدلنے کے لیے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

آج اذنی نے جو کچھ کیا تھا وہ مجھے اس سے متفر کرنے کے لیے کافی تھا۔ اب میں ساری عمر اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔ میں نے کبھی اس کے معاملات میں دلچسپی نہیں لی تھی اور نہ ہی کبھی اسے کوئی مشورہ دینے کی کوشش کی تھی۔ یہی بات مجھے طیش دلا رہی تھی کہ اس نے میرے ساتھ ایسی حرکت کرنے کی کوشش کیوں کی؟

کپڑے بدل کر میں بستر پر لیٹ گیا۔

اب میں اپنی فرینڈز کاری ایکشن سوچ رہا تھا۔ موبائل میں نے آف کر رکھا تھا۔ ورنہ اب تک ان کی کالز آچکی ہوتیں۔ یہ تو طے تھا کہ اب ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا ناممکن تھا۔ میں اپنی سوچوں میں غرق تھا کہ نوران دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آئی۔

”وہ جی آپ کو بڑے صاحب بلارے ہیں۔“ ”ہول۔ آ رہا ہوں۔“ میں چونک کر سیدھا ہوا اور اسے بھیجا۔

مجھ پر اتنے زیادہ غصے اور طیش کے بعد اب بہت سستی اور پرمردگی طاری ہو رہی تھی۔ میں نے بہت کسمندی سے انگریزی لے کر گویا تھے ہوئے اعصاب کو ریپکس کیا۔ میں بہت ڈھیلے ڈھالے قدموں سے لی وی لاونج میں آیا تو جڑے بچھڑک کر رہ گیا۔ سامنے وہ ڈیڈی کے پاس بیٹھی تھی۔ پھوپھو اور انکل بھی موجود تھے۔ میں سلام کر کے انکل کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”بھئی یہ اذنی کیا کہہ رہی ہے؟“ ڈیڈی نے میری گوشمالی شروع کی۔ تو میں نے بے حد سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

”نہ بتا رہی ہے کہ تم کسی معمولی سی بات پر اس

سے لڑ آئے ہو۔“ انہوں نے ملے بھلے انداز میں بات شروع کی تھی۔ اب پھوپھو اور انکل بھی موجود تھے اور ڈیڈی بھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا حامی بھروں یا انکار کر دوں۔ کیوں کہ حامی بھرنے کی صورت میں اصل بات بتانا پڑتی اور منکر ہونے پر اس سے بات کرنا پڑتی اور میں تو اس سے بات کرنا تو درکنار اس کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر اب کچھ تو کرنا ہی تھا۔

”ڈیڈی! آپ کو پتا ہے نا اس کی عادت کا۔“ میں نے گول مول انداز اپنایا۔

”جی بتا رہی ہوں انکل یہ مجھ سے لڑ کے آیا ہے اور کہہ رہا تھا آئندہ کبھی مجھ سے بات نہیں کرے گا۔ اب ذرا سی بات پر اتنی سنجیدگی سے خفا ہو جانا کوئی اچھی بات تو نہیں تھ۔“ وہ بڑی معصومیت سے بول رہی تھی میں سر جھکائے دانت کچکا رہا تھا۔

میں اسے جتنا اچھا سمجھ رہا تھا وہ اتنی اچھی نہیں تھی۔ اب بھی میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اس کی پوری کوشش ہے کہ ڈیڈی اصل معاملہ پوچھیں اور ہوا بھی وہی ڈیڈی تو نہیں البتہ انکل حبیب نے ضرور پوچھ لیا۔

”بیٹا! آپ بات بتائیں ہم فیصلہ خود کر لیں گے کہ بات معمولی ہے یا نہیں۔“

میں نے بے ساختہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر شرارت سے بھری مسکراہٹ دمک رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازا۔

”بالکل ٹھیک ہے۔ کیا بات ہوئی تھی ولید؟“ ڈیڈی نے بھی انکل کی ہاں میں ہاں ملائی تو میں سٹپٹا گیا۔ ”کوئی بات نہیں ہوئی ڈیڈی۔ میں تو اس سے یونہی مذاق کر رہا تھا۔“

”تو پھر تم مجھ پر چلائے کیوں تھے؟“ وہ بڑی معصومیت سے پلکیں جھپکا کر بولی تو میرا جی چاہا اس فتنی کا گلابا دوں۔ کم بخت بات سے بات نکالے جا رہی تھی۔

”کہہ رہا ہوں میں مذاق کر رہا تھا۔“ میں نے
بیشکل اپنا موڈ ٹھیک رکھا تھا۔
”تو بھی تم ویسے ہی پریشان ہو رہی تھیں۔“ انکل
ہنس دیے۔

”ولید۔۔۔ بھی آئندہ کبھی مذاق میں بھی نہیں لڑنا
میری بیٹی سے“ ڈیڈی نے اسے اپنے شانے سے لگاتے
ہوئے مجھے تنبیہ کی تو میں بس سر ہلا کر رہ گیا۔ مزید
کچھ کہنا اپنا پول کھولنے کے مترادف تھا۔

”اب ناراض تو نہیں ہوتا؟“ وہ بڑے انداز سے
مسکرا کر پوچھ رہی تھی میرا جی چاہا اپنے بال نوچ لوں۔
”جہیں یسین کیوں نہیں آ رہا ہے؟“ میں ذرا چڑ
کر بولا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تو پھر چلو لان میں ٹہلتے ہیں۔“ وہ جانتی تھی کہ
مجھے اس پر شدید غصہ ہے اور اب صاف ظاہر تھا کہ وہ
جتنا ہی چاہتی تھی کہ وہ جو چاہے مجھ سے کروا سکتی ہے۔ اور
واقعی میں کرنے پر مجبور تھا۔ میں خاموشی سے اٹھ کر
اس کے ساتھ لان میں چلا آیا۔ میں بالکل خاموش تھا۔
”کیا ہے بھی۔۔۔ اتنی سی شرارت کو دل پر لے کر
بیٹھ گئے ہو۔“ وہ میری خاموشی سے آگتا کر بولی تو میں
نے گھور کر اسے دیکھا۔

”یہ اتنی سی بات ہے۔ ایک ساتھ تین فرینڈز
داغ مفارقت دے گئی ہیں وہ بھی فقط تمہاری وجہ
سے۔“ میں غصے سے بولا۔

”تم ایک ہی اچھی سی دوست کیوں نہیں بناتے
جس سے بعد میں تم شادی کر لو۔“ اس نے حسب
عادت مجھے مفت مشورہ دیا۔

”شٹ اپ۔۔۔ جتنا ٹھنڈا ہے جلدی جلدی ٹھنڈی
اور اندر چلو۔“ میں نے اسے جھاڑا۔

”چھا اب مسکراتو۔۔۔ پلیز اب ایسا نہیں کروں
گی۔“ اس نے فوراً ”مسکین سی صورت بنا کر کہا تو میں
مل میں تولہ پل میں ماشہ بنتی اس شعلہ و شبنم لڑکی کو دیکھ
کر رہ گیا۔

”تمہارے اندر خبیث روح ہے۔ تم کبھی بھی
بدل نہیں سکتیں۔“ میں ابھی بھی طیش میں تھا اور

فضول الفاظ کے ذریعے اپنا غصہ نکال رہا تھا۔
”دیکھو جو زبان تم استعمال کر رہے ہو وہ میں بھی
بائیڈ کر سکتی ہوں۔ لیکن میں تم سے لڑنا نہیں چاہتی۔
تم بہت اچھے ہو۔ میرے کزن ہو دوست ہو۔ کیا نہیں
ہو؟“ وہ پہلی مرتبہ اس طرح باتیں کر رہی تھی۔ میں
شش و پنج میں پڑ گیا۔ ایک تو اس لڑکی کی اتنی پر تیں
تھیں پناہ کی طرح ہر برت کے پیچھے سے ایک نیا انداز
لے کر نمودار ہوتی تھی۔

”کم آن ولی۔۔۔ دوستی کی والی۔“ اس نے بڑے لاڈ
سے کہتے ہوئے میرے سامنے آکر ہاتھ آگے بڑھایا۔
میں نے پر سوچ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے نہ چاہتے
ہوئے بھی اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مجھے فی الحال اسی میں
اپنی عافیت و فائدہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بعد ہم
دونوں کافی دیر لان میں ٹہلتے ہوئے اوہراوہر کی باتیں
کرتے رہے۔

ڈیڈی بزنس کے سلسلے میں اٹلی چلے گئے تو میرا
ناشتا کھانا حسب معمول پھوپھو کی طرف ہو گیا۔ حالانکہ
نوراں موجود تھی مگر یہ پھوپھو کا حکم تھا کہ میں ناشتا اور
کھانا اوہراوہر ہی کھایا کروں۔ ان دنوں مجھے تنہا بزنس دیکھنا
پڑ رہا تھا اس لیے میں کافی دیر سے گھر لوٹ رہا تھا۔ چند
دن تک پھوپھو جانتی رہیں جب میں گھر پہنچتا تو مجھے کھانا
گرم کر کے دیتیں پھر سوتیں۔ پھر میں نے یہ اصرار
انہیں منع کر دیا۔ کیوں کہ کبھی کبھار دوستوں میں بیٹھ کر
وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ گھر لوٹا تو
پھوپھو کو نیم غنورہ محو انتظار پا کر بہت شرمندگی ہوتی تھی۔
اب چونکہ وار گیٹ کھول دیتا تھا۔ لاؤنج کے دروازے کی
ایک چابی میرے پاس موجود تھی۔ میں آسانی سے جب
چاہے اندر آکر کھانا گرم کر کے کھاتا اور مزے سے
سو جاتا۔

مسعود اور ناصر نے ساتھ چونکہ تقریباً سال
بعد ملاقات ہوئی تھی اس لیے ان کے ساتھ خوب
مخفل جی۔ جب وہاں سے اٹھتا میں نے ٹائم دیکھا
مجھے کافی سے بھی کچھ زیادہ دیر ہو چکی تھی اب تو شاہ

چونکہ دار بھی دروازہ کھولنے کے لیے نہیں اٹھتا پھر بھی
بے حسوں کی طرح کوادرٹر والی ٹیل پر ہاتھ رکھے
رہا۔ کھانا تو میں کھا کر آیا تھا اب صرف شدید جھک
میرے اعصاب کو چٹکا رہی تھی اور نیند سے برا حال
تھا۔ میں لاؤنج کا دروازہ لاک کر کے اندر میرے ہی میں
اپنے کمرے کی طرف پھر فقط ٹائٹ بلب کی سبز روشنی
لاؤنج کو روشن کر رہی تھی۔ میں اوپر پھوپھو، انکل ازی
کے کمروں میں جانے والی سیڑھیوں کے پاس سے
گزرنے لگا۔ کچھ رات کے پھر شاید پیاس کے باعث یا
کسی اور کام سے اترتی ازی مجھ سے ٹکرا گئی۔ مجھے
اندازہ تھا کہ وہ مجھے پہچان نہیں پائی۔ اس نے خوف زدہ
ہو کر چپخنے کے لیے منہ کھولا تو میں بوکھلا گیا۔ میں نے بہ
سرعت اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور اسے دھکیل کر
دروار کے ساتھ لگا دیا۔

وہ میری گرفت میں بری طرح پھلی۔ ہم دونوں
یقیناً کافی قابل اعتراض حالت میں کھڑے تھے۔ میرا
ایک ہاتھ اس کے منہ پر سختی سے جمنا تھا اور دوسرا اس
کی کمر کے گرد تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہاتھ ہٹاتے ہی وہ
چلانے لگے گی۔

”یہ میں ہوں ولید۔۔۔ چیخامت۔“ میں نے پہلے
اسے تنبیہ کی پھر آہستہ سے اپنے ہاتھ ہٹا کر پیچھے ہٹا۔
وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالنے لگی۔

”ایڈیٹ۔۔۔ یہ ٹائم ہے گھر آنے کا۔ جان نکال
کے رکھ دی میری۔ اگر مجھے ہارٹ اٹیک ہو جائے تو؟“ وہ
دانت پیستی مجھ پر الٹ پڑی۔ واقعی بات تو خوف زدہ کر
دینے والی ہی تھی۔ میں اسے بغور دیکھتے ہوئے ہنس دیا۔
”ویسے تو بڑی بہادر بنتی ہو۔“

”ہنس۔۔۔ ڈفر۔ جا کے سو اب۔ میری تو پیاس بھی
ختم ہو گئی ہے۔“ وہ ٹھٹھاتی کڑھتی واپس مڑ گئی۔ کاشن
کے ٹائٹ سوٹ میں ابھی بکھری وہ قیامت کی چیز لگ
رہی تھی۔ حالانکہ اتنی مدہم روشنی میں اس کے
نقوش واضح نہیں تھے۔

وہ تو چلی گئی مگر میں کئی لمحے وہیں کھڑا رہا۔ کچھ
عجیب سے احساسات ہو رہے تھے۔ وہ بچپن سے

میرے ساتھ رہی تھی اور مجھے کبھی احساس نہیں ہوا تھا
اور اب ایک بل میں وہ اپنا احساس دلا گئی تھی۔ میں اپنی
قلبی ماہیت کے یکتخت بدلنے کے اسباب پر غور کرنا
کمرے میں چلا آیا لائٹ آن کر کے میں بستر پر گر پڑا۔
میں نے گہری سانس اندر کھینچی۔

لڑکیاں میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھیں۔ ابھی
تو ٹھیک طرح سے جوانی کا مفہوم بھی معلوم نہیں ہوا تھا
کہ صنف نازک کی بھرپور توجہ ملنے لگی تھی۔

مگر یہ ازی حبیب۔۔۔ یہ تو کبھی بھی مجھے اچھی نہیں
لگی۔ اپنی تمام تر ذہانت اور خوب صورتی سمیت بلکہ سچ
تو یہ ہے کہ اس کی ذہانت ہی مجھے زہر لگتی تھی۔ میں نے
سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر آنکھیں موندیں اس کا نرم و
بر حرارت سا لمس میرے وجود کو ابھی تک گد گد رہا
تھا۔ میں نے چشم تصور میں اسی منظر کو دوبارہ دیکھنے کی
سچی کی جو مجھ میں عجیب سا احساس بیدار کر گیا۔

یہ کیا مصیبت ہے میں جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔
پاگل ہو گئے ہو ولید حیدر۔۔۔ وہ کبھی بھی تمہارے
ایسے احساسات کا مرکز نہیں رہی اور تم جو شروع سے
ہر ایک کو اپنا گرویدہ کرتے آئے ہو۔ یوں اس طرح
ایک نازک سی لڑکی کے آگے ڈھیر نہیں ہو سکتے اور پھر
کوئی اور ہو تو بات بھی ہے یہ ازی۔

کپڑے تبدیل کر کے لائٹ آف کر کے میں بستر
آیا تو آنکھیں موندتے ہی وہ منظر دوبارہ میرے ذہن میں
روشن ہو گیا۔ میں نے جھنجھلا کر کروٹ بدلی اور اپنے
آپ کو ڈانٹا۔

”ڈونٹ بی سلی ولید حیدر۔۔۔ وہ تمہارے معیار کی
لڑکی نہیں ہے۔“

میرے دل و دماغ میں کشمکش جاری تھی جو کام
اتنے سالوں میں ڈھیروں لڑکیاں نہیں کر سکیں وہ ازی
حبیب ایک پل میں کر گئی تھی۔ وہ مجھ سے مجھے چرا لے
گئی تھی۔

بہت تھک ہار کر میں سویا تو دل و دماغ ایک ہی
نکتے پر مرکوز متفق تھے کہ پھوپھو کی یہ ذہین بیٹی جو
دوسروں کا دماغ خراب کرنے میں اپنا جواب نہیں

رکھتی، مجھے بھی پاگل بنا گئی تھی۔ مگر اس کے بعد یہ ضرور ہوا کہ میری رات اور نیند خوش گوار ہو گئی۔ میرے ہاتھوں میں اس کے بدن کی پیش اور نہایت سٹ آئی تھی۔ وہ میرے کس قدر قریب تھی کہ۔۔۔ اس کی سانسوں کی خوشبو میرے اندر تک سرایت کر گئی تھی۔

میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا حال کیا ہے یا اس پر کیا گزری ہے مگر میرا حال بہت برا تھا۔ میرے دل میں اسے پانے کی تمنا اچانک ہی جاگ اٹھی تھی۔ یہ پہلی رات تھی کہ سوتے میں کوئی لڑکی میرے ساتھ تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ جاگتے میں ملنے والیوں کو میں سوتے میں آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ میرے شب و روز ایک ہفتے کے اندر اندر بدل گئے۔ میرا جی چاہنے لگا کہ زیادہ سے زیادہ وقت گھر میں اس کے ساتھ گزاروں۔ کچھ میں اپنے آپ پر غور کر رہا تھا کہ کہیں یہ وقتی جذبہ تو نہیں۔ مگر بہت جلد مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ کچھ اور ہی ہے۔

وقتی جذبے کے سوا کچھ ہے۔ مگر اسے میں نے چاہتے ہوئے بھی ابھی کچھ بتایا نہیں تھا کیوں کہ شادی کے متعلق اور سب سے بڑھ کر شریک حیات کے متعلق جو اس کا نظریہ تھا پھوپھو سے مجھے اس کی سن گن مل چکی تھی۔ اب میں ذرا وقت کا انتظار کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے آج کل تمہارا موہا مل آف کیوں رہتا ہے؟“ کھانا کھانے کے بعد وہ میرے ساتھ لان میں ٹہلتے ہوئے مصنوعی پریشانی سے بولی تھی۔ اب میں اسے کیا بتاؤں کہ میں اب وہ نہیں رہا۔

”بس ایسے ہی۔“ میں بہت سنجیدہ سا ہو رہا تھا۔ ”تم بہت بدل رہے ہو آہستہ آہستہ۔“ اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

”چھا نہیں ہے کیا؟ اب سیریس ہو جانا چاہیے۔“ میں مسکرایا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”اوہ ہوں۔ کوئی بات تو ضرور ہے۔ کہیں کوئی جوگ تو نہیں لے لیا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ۔۔۔ آپ اپنے

وام میں صیاد آگیا۔“ ذہن تو وہ تھی ہی فوراً ہی ٹھیک قیافہ لگا گئی۔ میں نے لمبی سانس اندر کھینچی اور اسے دیکھا پھر گویا دھماکا کیا۔

”حیرت کی بات ہے نا؟ مگر یہ سچ ہے۔“ ”جی۔۔۔ وہ جی۔۔۔ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں ڈفرن۔ کون ہے غی عروس۔ ٹو سیہ یا پھر۔۔۔“

”بس۔“ وہ ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”بتاؤ نا۔“ وہ بہ اصرار بولی۔ چند سیکنڈز میں نے اسے دیکھا۔

”تم۔۔۔“ ”آف شٹ اپ۔“ اس کے لمبے کا جوش فوراً ٹھنڈا ہو گیا اور وہ سر جھٹک کر پھر سے ٹہلنے لگی۔

”نکل کب آرہے ہیں؟“ ”ہی کوئی تین چار روز میں۔ کیوں؟“ میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

”بھئی اب تم اپنے گھر جاؤ۔ کیوں کہ تمہیں اپنے گھر کے کھانے کی عادت بھول چکی ہے۔“ وہ ہنسی تو میں نے ٹانگٹکی سے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ میں یہ عادت ساری زندگی برقرار رکھوں۔“ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ وہ بحث کرنے لگی۔

”کیا یہ ناممکن ہے؟“ میں نے پھنوس اچکا میں۔ ”یقیناً۔ کیوں کہ کھانا میں بناتی ہوں۔ کل کال کو میں اگلے گھر سدھار گئی تو پھر تم کیا کرو گے؟“ وہ شرارت سے پر لہجے میں بولی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ میری ”سوچ“ بن چکی ہے۔ اور سوچ پر کسی کو بھی اختیار نہیں ہوتا۔ میں نے بھی چاہوں تو اسی کو سوچتا ہوں۔

چاندنی رات میں اس کا سر لپا غضب ڈھارہا تھا۔ لیوں میں دلی دھیمی سی مسکان۔

شانوں پر لہراتے سیاہ بال۔

میں اسے بے اختیار دیکھ گیا اور جب بولا تو الفاظ بے ساختہ تھے۔

”اسی لیے تو میں نے سوچا ہے کہ صرف اور صرف تم سے شادی کروں گا میں!“

میری بات سن کر وہ اچھل ہی پڑی۔
”واٹس! کیا تم اپنے حواس میں ہو؟“

”تم سے شادی کرنا کیا پاگل پن کے زمرے میں آتا ہے؟“ میں نے رسائی سے اسے دیکھا۔

”جو موت ولید لگتا ہے گھاس کھا گئے ہو تم۔“ وہ بلا تکلف مجھے جھاڑ رہی تھی۔ میں چڑ گیا۔

”کیوں! کیا گھوڑے گدھے ہی ایک دوسرے کو پروپوز کرتے ہیں؟“

”چھ! اب فضول باتیں مت کرو۔ مجھے تو وحشت ہو رہی ہے تمہاری سنجیدہ سی شکل سے۔“ وہ آکٹا ہٹ آمیز انداز میں بولی۔

”تمہیں کسی نہ کسی سے شادی تو کرنی ہی ہے پھر وہ میں کیوں نہیں؟“ میں بھی اپنے نام کا ایک ہی ڈھیٹ تھا وہ چڑ گئی۔

”نور مت کرو ولید! بھلا میں تم سے شادی کیسے کر سکتی ہوں؟“

میں سلگ اٹھا۔
”کیوں میرا تم سے پر اور نہ رشتہ ہے کیا؟“

”چسپ! پھر تمہاری گرل فرینڈز کا کیا بنے گا؟“ وہ ہنسی۔

”سب کچھ ختم ہو گیا ہے ازی! یقین کرو سب کچھ۔ حتیٰ کہ موبائل بھی چینج کرا لیا ہے میں نے۔ صرف تمہاری خاطر۔“

میں اس قدر سنجیدگی سے بول رہا تھا کہ وہ بری طرح چونک گئی۔ پھر وہ گھوجتی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں بولی۔

”چلو اچھا کیا تم نے۔ اب بہتری لڑکیاں مل جائیں گی تمہیں۔“

”نہیں۔ صرف تم ازی! صرف تم۔“ میرا لہجہ آپ ہی آپ پر تپش ہو گیا۔ تب وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

”یہ کیا بے وقوفی ہے؟“ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ لفظ بھر کو میں نے خبر ہونے لگا۔ آج سے پہلے ایسا نہ تو کبھی نہیں ہوا تھا۔

”میں بہت زیادہ سنجیدہ ہوں اور۔ اور تمہیں بھی ہاں کہنا ہوگی۔“ میں نے بہت جرات سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ مگر میری جذباتیت اس پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں کر رہی تھی اس نے بڑی بے رحمی سے میرے ہاتھ جھٹکے اور قدرے رکھائی سے بولی۔

”تم پاگل ہو گئے ہو اور کوئی بات نہیں۔“

”کس بات کی کمی ہے مجھ میں؟“ میں بڑی خود اعتمادی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر پام کے درخت پر نظریں جمادیں اور بڑے بے زار کن انداز میں بولی۔

”کوئی اور بات کرو ولید۔ میں بور ہونے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”میں پوچھ رہا ہوں کیا کمی ہے مجھ میں؟“ میں جھجکا کر بولا۔ آج میں ہر قیمت پر فیصلہ چاہتا تھا۔

”یہی تو اصل مسئلہ ہے کہ تم پر فیکٹ ہو۔“ وہ بڑے سکون سے مسکرائی۔ اس کے اس اعتراف نے چہاں میرے اندر ٹھنڈک اتا، بی وہیں تفصیل جاننے کا جتس بھی ہوا۔

”واٹ ڈیویشن؟“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

اس نے چند سیکنڈز کچھ سوچا۔ شاید یہ کہ مجھے بتائے یا نہ بتائے۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر اس نے لب کھولے۔

”پتا ہے ولید بلا کے پاس سب کچھ تھا۔ دولت شہرت! ایجوکیشن! اسٹیٹس اور انہوں نے امی سے پسند کی شادی کی تھی مگر کچھ ہی عرصے کے بعد وہ بزنس میں اس طرح کھو گئے کہ میں بھی انہیں ڈھونڈ نہیں سکی۔ انہوں نے امی کو محض شوپیس بنا کر رکھ دیا۔ کیوں کہ انہیں امی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بس ان کی بیوی تھیں اور بس۔ اور تم جانتے ہو ایسا کیوں ہوا؟ اس

لیے کہ وہ مکمل تھے۔ ہر لحاظ سے۔ انہیں بس اپنا گھر بسانا تھا جو انہوں نے بسالیا۔ امی اتنی ایجوکیٹڈ ہیں مگر کیا فائدہ اٹھایا انہوں نے اس تعلیم سے؟ پاپا کو کبھی مشورہ تک تو دے نہیں پائیں اور۔ اصل بات یہی ہے کہ میں ایسی زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ تو سراسر اپنے آپ کو برباد کرنے والی بات ہے۔ اگر اتنا بڑھ لکھ کر بھی کوئی میری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مجھے فقط شوپیس بنا دے۔ آئی ہیٹ

”میں دم سلو ہے اس کے خیالات سن رہا تھا۔“

”میں تم سے شادی کرنے بعد محض شوپیس نہیں بننا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ جو بھی ہو اس میں میری کوشش میری ہمت بھی شامل ہو۔ اس میں کوئی کمی ہونی چاہیے ایسی کہ وہ مجھے پا کر خود کو مکمل سمجھے۔“

وہ میرے بغیر اٹھوڑا ہوا۔ اسے بتانے میں سنوارنے میں میرا بھی حصہ ہو۔“

وہ بے حد سنجیدگی سے اپنا نقطہ نظر بیان کر رہی تھی۔ میں چکر اکر رہ گیا۔ پھر پونے کچھ ذکر تو کیا تھا اس طرح کا مگر وہ تو کچھ اور ہی ٹھانے بیٹھی تھی۔

”گویا تم کسی غریب سے شادی کرو گی پھر جاب کر کے اس کے حالات سنو اور گی یا اسمگلنگ کرو گی؟“

میں نے تپ کر پوچھا۔

”وہ میرا مسئلہ ہے۔“ وہ بڑے آرام سے بولی۔

اس کے خیالات شان دار تھے۔ اگر میں غریب ہوتا تو میری موجیں تھیں۔ مگر اب اس میں میرا کیا قصور تھا کہ میں پر فیکٹ تھا ہر لحاظ سے۔

”تم بہت اذیت پسند۔ بلکہ خود پسند ہو۔ تم چاہتی ہو کہ تم جس سے شادی کرو وہ بھی تمہارے سامنے سر اٹھا کر بات نہ کر سکے۔ تم جیسی لڑکی جو آسائش میں ملی ہو وہ اگر کسی کے لیے قربانی دے گی تو ہر وقت وہ اس کی جی حضوری میں لگا رہے گا بس ہر وقت اسے تمہاری چالو سی کرنا ہوگی۔“ میں کچھ زیادہ ہی تیکھے اور تانے والے لہجے میں بول اٹھا تھا۔ اسے واقعی غصہ آ گیا۔

”یہ تمہارے دماغ کی کمزور سوچ کا نتیجہ ہے۔“

”یقین کرو ازی! آج سے پہلے بلا مبالغہ سینکڑوں ہی کہہ لو لڑکیوں سے میری دوستی رہی ہے مگر وہ صرف دوستی تھی۔ ان میں سے کسی کے لیے مجھ میں نے ایسے جذبے محسوس نہیں کیے تھے جو مجھ میں تمہارے لیے محسوس کر رہا ہوں۔ اور میں نے یہ کبھی کسی سے نہیں کہا مگر آج زندگی میں پہلی بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں چاہنے لگا ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ میری ضد اور ڈھٹائی پر وہ تپ گئی۔

”ولید! تم اچھی طرح جان چکے ہو اب مجھے پھر بھی فضول باتیں کر رہے ہو۔“

”اسی لیے تو کہتا ہوں کہ میری بن جاؤ۔ جتنی توجہ اہمیت اور پیار تم چاہتی ہو وہ میں ہی تمہیں دے سکتا ہوں۔“ میری بے باکی پر وہ خون ’خ‘ سے مجھے گھورنے لگی۔

”خاموش ہو جاؤ ولید۔ تم حد سے بڑھ رہے ہو۔“

”اس کا مطلب ہے کہ اب ڈیڈی ہی بات کر س گے۔“ میں بے پروائی سے شانے اچکا کر بولا تو وہ جھلا کر پاؤں پٹختے لگی۔

”سب کچھ تو ہے تمہارے پاس میرے ہونے یا نہ ہونے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کسی کی کمی کو پورا کرنا چاہتی ہوں اور تم میں کوئی کمی نہیں ہے۔ تو سہی ایک کمی۔ میری کوئی بیوی نہیں ہے۔“ میں شرارت سے بولا۔

”یاد رکھو تم سے میں شادی تو کبھی بھی نہیں کروں گی۔ تم میرے بہت اچھے دوست ہو اور بس۔“ وہ قطعیت بھرے انداز میں بولی تو میں سلگ اٹھا۔

”حد ہوتی ہے خود پرستی کی۔“ میرے لب و لہجے میں سختی اتر آئی تو وہ بھی ہتھ سے اکھڑ گئی۔

”تو پھر تم جنم میں جاؤ۔ اور بھول جاؤ کہ میں کبھی تم سے شادی کروں گی۔“

اس کی باتوں اور بے رحمی نے میرے اندر آگ لگادی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دماغ ابل رہا ہو۔ میں وہاں سے نکلا تو اس کی باتوں نے مجھے خاصا باغی کیا ہوا

تھا۔ اس قدر ریش ڈراؤنگ میں نے کبھی نہیں کی تھی۔ سنسان ہوتے روڈ پر سامنے سے آتے ٹرار کو دیکھ کر میں نے بے اختیار وبلا ارادہ ہی گاڑی اس کی سیدھ میں ڈال دی۔

”کچھ نہ کچھ تو کم ہو گا ناں۔“ بہت بے خوف سی لہر میرے دل و دماغ میں دوڑی تھی اور اس کے بعد اتنا بھی موقع نہیں ملا کہ میں اپنے کیے پر پچھتا سکوں۔ بس مجھے ایک زوردار دھماکا محسوس ہوا اور تکلیف کا بے پناہ احساس اس کے بعد میرا ذہن اتھاہ گمراہیوں میں اترتا چلا گیا۔

ہوش کی وادی میں قدم رکھتے ہی میری پہلی نظر واصف بخاری پر پڑی۔ میں نے اوہراوہر نگاہ دوڑائی مگر اس وقت بالکل خالی تھا۔

”ویلم بیک۔“ واصف بہت خوش گواری سے بولا۔ وہ میرا جگری یار بھی تھا اور بہت قابل سرجن بھی۔

”تم۔۔۔ اس کا مطلب ہے میں دونوں میں پہنچا گیا ہوں۔“ میں کراہ کر بولا۔

”میں کیا وہاں کا داروغہ ہوں؟“ وہ ناراضگی سے بولا۔

”مجھے یوں لگ رہا ہے تو نے سر سے پاؤں تک مجھے سیاہ۔“ میں کرا رہا۔

”بچو شکر کرو کہ بچ گئے ہو ورنہ ابھی تمہاری ہڈیاں اور قیمہ الگ کیا جا رہا ہوتا۔“ اس نے کچھ چڑکرا کر اور کچھ خوف ناک انداز میں مجھے دہلانے کی کوشش کی۔

”یعنی۔۔۔ کوئی کمی واقع نہیں ہوئی؟“ میں افسردگی سے بولا۔ تو اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

”بے تو کھسک تو نہیں گیا؟“

”بکو مت۔ اتنا اچھا ایکسیڈنٹ کیا تھا میں نے پھر بھی سالم ہوں۔ آئی ایم ویری سیڈ۔“ میں نے بے حد ناسف سے سر جھکا تو مجھے سے پر کے انگوٹھے تک درد کی لہر دوڑ گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر میری حالت کا خیال کیے بغیر بلا تکلف شان دار سامکا

میرے شانے پر رسید کر دیا۔ میں نے ہونٹ بھیج کر بمشکل درد برداشت کیا۔ اس کا انداز غصیلا تھا۔

”شرم کرو، تم واقعی بہت بے وقوف ہو، مرنے کے فراق میں چلے گئے؟“

”یہ سب تم کہہ سکتے ہو۔ کیوں کہ تم میری پرابلم نہیں جانتے۔“ میں خلا میں گھورتے ہوئے بے دلی سے بولا۔

”یعنی یہ واقعی تم نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق کیا ہے؟“ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ میرا بچپن کا دوست تھا اور اب تک یہ دوستی اسی بے تکلفی سے برقرار تھی۔ حالانکہ اسکول کے بعد وہ میڈیکل میں

چلا گیا تھا پھر بھی دلوں میں دوری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ صرف اذنی کے متعلق اپنی بدلتی ٹیکنیکز کے متعلق میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اور بتانا بھی کیسے کہ مجھے

خود اب پتا چلا تھا۔

”ظن ہے تجھ پہ یا۔۔۔ مرنے کے ہوتے ذرا ذرا سی پرابلم کے پیچھے جان دینے سے مراد لگی ظاہر نہیں

ہوتی اور شرم کرو باہر تمہارا پورا خاندان جمع ہے۔ تین دن کے بعد ہوش میں آئے ہو۔ اتنی گہری چوٹ لگی ہے تمہارے سر میں کہ تم اندھے بھی ہو سکتے تھے۔

سب تمہارے لیے دعاؤں میں مشغول ہیں اور تم اپنے بچ جانے پر نادم اور اپنے ایڈونچر پر خوش ہو رہے ہو۔“

وہ حد درجہ سنجیدگی و ناگواری سے بول کر گویا حق دوستی ادا کر رہا تھا۔ میں یقیناً اتنے خلوص سے کی گئی تقریر سن کر نادم ہوتا مگر فی الحال تو میری سوئی ایک ہی جگہ پر

انک گئی تھی میں نے بہت بے تلی سے پوچھا۔

”کیا کہا۔۔۔ میں اندھا بھی ہو سکتا تھا؟“

”میرے خیال میں یہ افسر وہ ہونے والی بات ہے نہ کہ خوش ہونے کی۔“ وہ طنز سے کہے میں بولا تو میں

بہنہ لگا ہاتھ اٹھا کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ میں آہستہ سے بول رہا تھا۔ اتنی دیر ہی میں میرا دماغ چکرانے لگا تھا

میں پھر بھی بولنا چاہ رہا تھا۔ تاکہ دوبارہ بے ہوش ہونے سے پہلے واصف کو سب کچھ بتا دوں۔

”میرے آؤ راسٹ۔ لیکن یا۔۔۔ کیا اب میں اندھا

نہیں ہو سکتا۔“ میں ملتجیانہ انداز میں بولا۔ چند سیکنڈز کو تو وہ بس ہکا بکا مجھے دیکھے گیا پھر اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان اٹھ پڑا۔

”بے کینے، ذلیل انسان، پکا سور ہو گیا ہے تو۔“

مجھے کسی کا احساس نہیں۔ حالت دیکھ اپنی اور انکل بے چارے پر سوں سے بھوکے بیٹھے ہیں صرف مجھے ہوش

میں دیکھنے کے لیے۔ اور تو۔۔۔ اس نے لب بھیج لیے۔ میں حد درجہ شرمسار ہونے لگا۔ وہ بے حد

ناراض تھا۔

”اب اگر اجازت دو تو میں کچھ کہوں؟“ میں نے اپنی پوری طاقت مجتمع کر کے پوچھا۔

”بکو۔“ وہ خفگی سے بولا۔

”مگر پہلے جان بخشی کا وعدہ کرو۔“ میں نے شرط رکھی تو اس نے مجھے گھورا۔

”اس کا مطلب ہے کچھ چھپایا ہے تو نے مجھ سے۔“ وہ غراہا۔

”بس مجھے خود اب پتا چلا ہے کہ۔۔۔“ میں نے آہستہ آہستہ اسے ساری بات بتائی۔ وہ اذنی سے اچھی

طرح واقف تھا۔ کیوں کہ واصف ناصر اور مسعود ہر ایک وئی میں میرے ساتھ تھے اور ہر شکایت اذنی ہی کے ذریعے گھر والوں تک پہنچتی تھی۔ وہ حیرت

زدہ تھا۔

”لوئے وہ۔ یعنی اذنی حبیب۔ وہ ہری مرچ۔ آئی ڈونٹ بلیو دس۔ یا وہ تو بڑی توپ شے ہے۔“

”بس تو یہ سمجھ لے کہ اس بار گولہ باری سیدھی میرے دل پر ہوئی ہے۔“ میں ٹھنڈی آہ بھر کے بولا۔

”دیری سیڈ یا۔۔۔“ وہ اذنی کو اچھی طرح جانتا تھا۔

”مگر اب کیا ہو سکتا ہے یا۔۔۔“ میں اپنے مشن کی ناکامی سے خاصا ہرٹ ہوا تھا۔

”لیکن مجھے تمہارا طریقہ پسند نہیں آیا۔ تم کچھ اور بھی کر سکتے تھے۔“ وہ خاصی ناگواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

”گور کیا کر لیتا۔ اٹھا کے لے جاتا اسے کہیں یا گن

پوائنٹ پر نکاح پڑھوا لیتا؟“ میں چڑ گیا۔ وہ چند لمحوں تک مجھے دیکھتا رہا۔

”مان لے کہ تو الو ہے گاؤ دی ہے پھر ایک شان دار سا پلان بتاتا ہوں۔“ اس کی آنکھیں کسی سوچ کی پر

جھامس سے چمکیں تو میں نے فوراً خود کو احمق اعظم تسلیم کر لیا۔ کیوں کہ مجھے علم تھا اب میں مزید کچھ نہیں

کر سکتا۔

وہ مجھے اپنا پلان بتا چکا تو میں نے بڑے جوش میں اٹھ کر اسے گلے لگانے کی کوشش کی مگر جسم میں اٹھنے

والی ٹیسوں نے سارے جوش و جذبے کو ہوا کر دیا۔ میں بے دم سائیڈ پر گر گیا۔ وہ بے ساختہ ہنس کر مجھ پر

جھکا تھا۔

”اب یہ سارے جذبات اس توپ چیز کے لیے رکھ لے۔“ میں بھی آنکھیں موند کر طمانیت سے ہنس دیا۔

”میں بھیجوں سب کو اندر؟“ اس نے پوچھا تو میں نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔

”اذنی کے علاوہ سب کو بھیج دو۔ اور اسے ذرا خوب احساس جرم دلاؤ کہ یہ سب کسی ذہنی ٹینشن کا

نتیجہ ہے۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ یہ ایکسیڈنٹ خالصتاً میری مرضی کا نتیجہ ہے۔“

وہ ہنستے ہوئے باہر نکلا۔ ڈیڈی جس والہانہ انداز میں مجھے ملے اس پر میں شرمسار ہو گیا۔ کتنا بڑا جرم

کرنے لگا تھا میں۔ مجھے اپنی نالائقی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ انکل اور پھوپھو بھی بے حد پریشان

تھے۔ پھوپھو کے آنسو تو مجھے ہوش میں دیکھ کر بھی نہیں ٹھم رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد واصف اندر آیا۔ اس نے سب سے نظر بچا کر آنکھ دہائی تو میں سمجھ گیا کہ وہ معاملہ

”سیٹ“ کر آیا ہے۔ میری ٹھکن کے پیش نظر اس نے مجھے نیند کا انجیکشن لگا دیا۔

”اب باقی معاملہ میں خود دیکھ لیتا ہوں۔“ اس نے سرگوشی کی۔

”مجھے بچا کے اچھا؟“ میں بھی اسی انداز میں

بولا۔۔۔ چند لمحوں کے بعد میں پھر غافل ہو گیا۔۔۔
پھوپھو بہت خوش تھیں کہ میں اذنی سے شادی کرنا
چاہتا ہوں۔ اور ڈیڈی کی تو وہ ویسے بھی لاڈلی تھی۔ انکل
بھی بخوشی رضا مند ہو گئے اور اس سارے معاملے کو
واصف ہی نے ہینڈل کیا تھا۔ پھوپھو تو خود اذنی کی فضول
خدا سے عاجز تھیں۔ کہنے لگیں۔
”مجھے تو ہر وقت ڈر ہی رہتا ہے کہیں کسی لنگڑے
کانے کو پکڑ کے نہ لے آئے۔“
”دو چار ماہ ایک اندھے کے ساتھ گزارے گی تو
دل غصہ ہو جائے گا۔“
میں نے سب کا ٹکڑا پھوپھو کے ہاتھ سے لیتے
ہوئے کہا تو سب ہنس دیے۔

جب میں ہسپتال سے ڈسچارج ہوا تو آئی
اسپیشلسٹ کی رپورٹ میرے ساتھ تھی جس میں مجھے
واضح طور پر بلائینڈ قرار دے دیا گیا تھا۔

مجھے گھر آئے پورا ہفتہ ہو چکا تھا۔ پھوپھو اور انکل
تقریباً روزی آتے مگر وہ ایک بار بھی نہیں آئی تھی۔
میں نے غصے میں وادھف کو فون کر دیا۔
”اے گدھے کیا کہا تھا تو نے اس سے کہ وہ پلٹ
کے آئی ہی نہیں؟“

”ذلیل انسان! تو نے خود ہی تو کہا تھا کہ اس کے
احساس جرم کو ابھارو۔ میں نے اسے کہا تھا کہ جب تو
اس کے گھر سے نکلا تھا تو شدید نروس ٹینشن کا شکار تھا
اور یہ بھی کہ تو نے ارادہ کیا گاڑی بھونکی تھی۔“ وہ
اطمینان سے بولا۔ تو میں سوچ پڑ گیا۔
”تو پھر وہ آکیوں نہیں رہی؟“

”اسے یہی احساس چین نہیں لینے دے رہا ہوگا
کہ تو اس کی وجہ سے ”اندھا“ ہو گیا ہے۔“ وادھف ہنسا
تو میں جل کر بولا۔

”خدا ہے یا اس سے بہتر تھا میں لنگڑا بن جاتا مگر از
کم بیساکھی پکڑ کے اسے مل تو آتا۔“ وادھف کا قبضہ
بے ساختہ تھا۔ میں نے تپ کر ریسیور کرپڈل پر ڈال
دیا۔

یہ بھی اچھی بات تھی۔ اندھا بھی نہیں ہوا اور وہ
مجھے دیکھنے بھی نہیں آئی۔ حد ہوتی ہے ظلم کی بھی۔
پھوپھو سے علم ہوا کہ واقعی وہ بہت چپ اور کم صم
سی ہے۔ میں بہت جھنجھلا رہا تھا۔ پتا نہیں بات بنتی بھی
ہے کہ نہیں۔ جو کچھ ہم نے پلان بنایا ہے اس کے
مطابق ہوتا بھی ہے کہ نہیں۔

آفس جانا تو دل سے ہی ترک ہو چکا تھا۔ ڈیڈی میری
حالت پر مٹے تو میں جھل سا ہو جاتا اور پھر جس دن وہ مجھے
ملنے آئی مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔

میں لاؤنج میں صوفے سے ٹیک لگائے کارپٹ پر
نیم دراز اپنی پسندیدہ گلوکارہ کی آواز سے لطف اندوز
ہو رہا تھا۔

”ولید۔۔۔“

اس کی حیرت و استعجاب سے بھری آواز میری
سماعت سے ٹکرانی تو میں اچھل پڑا۔ بمشکل میں نے
اپنے آپ کو ایک دم اسے دیکھنے سے باز رکھا۔ ایک
غلطی البتہ یہ ہوئی کہ میں نے کچے چوروں کی طرح
فورا آئی وی آف کر دیا۔

خدا گواہ ہے میری ایسی حالت کبھی پہلے کسی لڑکی
کے انتظار یا ملاقات کے وقت نہیں ہوئی تھی جیسی اس
بل ہو رہی تھی۔ وہ بڑی بے تابی سے آگے بڑھی اور
گھٹنوں کے بل میرے پاس بیٹھ کر میرے دونوں ہاتھ
اپنے نرم ہاتھوں میں جکڑ لیے۔

”یہ تم نے کیا کر دیا ولی؟“ وہ میرے ہاتھوں پر
پیشانی ٹیک کر سسکا اٹھی۔

مجھے نہیں یاد تھا کہ کبھی میں نے اسے روتے دیکھا
ہو۔ اب اس سچو لیشن کے متعلق تو میں نے سوچا بھی
نہیں تھا۔ میں امتحان میں پڑ گیا۔ میری نگاہ پر میرا قلم
نہیں تھا۔ مجھے یہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آیا اس کو
دیکھوں یا ادھر ادھر نظر دوڑاؤں۔ ابھی نیا نیا اندھا ہوا تھا
اس لیے ذرا کن فیوژن کا شکار تھا۔

”ولی۔۔۔ جو قسمت میں لکھا تھا۔“ میں نے اسے
لہجے کی خوش گواری کو بمشکل یاسیت میں ڈھالا۔ اس
نے چہرہ اٹھایا تو وہ آنسوؤں سے تر تھا۔ میں گڑبگڑا کر

میری نظر ہلا ارادہ ہی اس کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ اور
میں خود کو کنٹرول کرنے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ میری
پوری کوشش تھی کہ میں خلا میں دکھتا رہوں اور اس
کے علاوہ ہر چیز میری توجہ کا مرکز نہ ہو۔ جو بہر حال میرے
لیے خاصا وقت طلب کام ثابت ہو رہا تھا۔

”ولید! میرا مرنے کوئی چاہ رہا ہے۔ میری ہمت
نہیں پڑ رہی تھی کہ میں تمہارا سامنا کر سکوں۔“ وہ رو
رہی تھی۔ میں نے اپنے تئیں بہت افسردہ سی
مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیلائی۔

”اس میں تمہارا کیا قصور؟“

”نہیں۔۔۔“ اس نے شدت سے میری نفی کی۔

”اس وقت تم بہت ٹینس تھے اور وادھف کہہ رہا
تھا کہ تم نے جان بوجھ کر یہ ایکسیڈنٹ کیا ہے۔“ اس
سے ٹھیک طرح بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

”یہ تو بخوشی کی بات ہے اذنی۔ تمہیں پر فیکشن
پسند نہیں تھی بل۔“ میں بہت سگ دلی سے بولا تو وہ
ترپ اٹھی۔

”خدا کے لیے ولی تم تو یوں مت کہو میں نے
تمہارے لیے کبھی ایسا نہیں سوچا۔ پاپا اور امی کی طرح
تم بھی مجھے ہی مجرم ٹھہرا رہے ہو۔ اور۔۔۔ اور میں نے
یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم میرے معیار پر پورا اترنے کے
کے لیے یوں جان کی بازی لگا دو۔“

میں اندر ہی اندر بے حد حیران ہو رہا تھا۔ وہ جو
بظاہر بہت سگ دل اور اکھڑی نظر آتی تھی۔ اندر سے
وہی تھی ایک رحم دل۔ عام سی ہر کسی کی تکلیف پر
ترپ اٹھنے والی لڑکی۔

”جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب لیکر پیٹنے کا کیا فائدہ۔“
میں نے بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کی
گرفت سے چھڑائے جو اس کے آنسوؤں سے بھگ
گئے تھے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا اور پھر چند قدم چل کر
جان بوجھ کر تپائی سے ٹکرا گیا۔ وہ بے ساختہ آگے بڑھی
تھی۔

”ولید! میں بہت گھٹی فیل کر رہی ہوں۔ تمہیں
یوں دیکھنا میرے لیے سب سے بڑی سزا ہے۔“ وہ میرا

بازو پکڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”مگر یہ اصل حقیقت ہے۔“ میں ایک آہ بھر کے
بولا اور دونوں ہاتھ پھیلائے اندھوں کی طرح اپنے
کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ خود پر قابو نہیں پاسکی اور
روتی ہوئی چلی گئی۔

میں نے اچھل کر مکا ہوا میں لہرایا اور وادھف کو
فون کر کے اپنی کامیاب ایکٹنگ کی تفصیل بتانے لگا۔

اب وہ روزانہ میرے پاس آنے لگی تھی۔ اس
نے تمام کام چھوڑ کر بس میری دیکھ بھال شروع کر دی
تھی۔ نیوز پیپر پڑھ کر سنانے سے لے کر مجھے ہر طرح
سے مصروف رکھنے کی ذمہ داری اس نے سنبھال لی
تھی۔

میں اندھوں کی ایکٹنگ کرتے ہوئے تنگ آچکا
تھا۔ میرا دل چاہتا تھا میں گاڑی ڈرائیو کروں۔ اسے
لانگ ڈرائیو پر لے کر جاؤں۔ موسیٰ دیکھوں۔ کتابیں
پڑھوں۔ مگر وہ صبح سے شام تک میرے ساتھ رہتی اور
مجھے کسی بھی حسرت کو پورا کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

وہ ابھی آئی نہیں تھی میں نے اس موقع کو غنیمت
جانتا اور اپنے پسندیدہ ایکٹر کی انگلش موسیٰ لگالی۔ نوران
سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اذنی آئے تو فوراً مجھے اطلاع
کر دے۔ نوران ہماری کافی پرانی ملازمہ تھی اس لیے

اس کو اس راز میں شریک کرنا ضروری تھا۔ کیوں کہ
اب سارا وقت میں اندھان کے تو گھر میں رہ نہیں سکتا
تھا۔ اور نوران کبھی بھی پول کھول دیتی کہ چھوٹے
صاحب دو آنکھوں والے ہیں۔ اس لیے اسے اعتماد
میں لے لیا گیا۔ اب نوران پتا نہیں کہاں رہ گئی۔ مجھے

تب ہوش آیا جب اذنی میرے سر پر کھڑی تھی۔ میں
محویت سے کشتی دیکھ رہا تھا۔ جہاں کا تھل رہ گیا۔

”یہ۔۔۔ موسیٰ کس نے لگائی ہے؟“ اس کی آواز
میں دنیا جہان کی حیرت اور بے یقینی چھپی تھی۔ میں
نے سر جھٹکا اسے نہیں دیکھا۔ فوراً خود کو سنبھال کر
تیز اور جھکے لہجے میں بولا۔

”میں نے لگوائی ہے نوران سے۔ میں نہیں رہ

سکتا اس منجھد ماحول میں۔ مجھے زندگی میں شور ہنگامہ چاہیے۔ دیکھ نہیں سکتا تو کیا ہوا۔ سن تو سکتا ہوں

وہ دھیرے سے میرے پاس بیٹھ گئی۔ مجھے خدشہ سامحوس ہوا۔ کہیں جان تو نہیں گئی۔ اس نے میرے بازو پر ہاتھ رکھا۔ کتنی ہی دیر خاموشی کے بعد وہ بولی۔

”ولید! کیا تم مجھ سے شادی کرو گے؟“
انس میں چکر اکر رہ گیا۔
اس نے بات کی تھی یاد ممالک میں یکھت سیدھا ہو بیٹھا۔ یوں لگا جیسے کچھ غلط سنا ہو۔ دل پہلو میں پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔

”اب یہ سب فضول باتیں ہیں اذئی۔“ میں نے اندر کی خوشی کو بمشکل دیا۔ اور سپاٹ انداز میں کہا۔
”ولی! مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا پہلے اور اب سے۔“ وہ بے حد جذباتی انداز میں بولی تو میں دو ٹوک انداز میں بولا۔

”مگر مجھے یاد پڑتا ہے پہلے جب میں نے یہ بات کی تھی تو تب میں تمہیں سہارا دے سکتا تھا۔ اب تو مجھے خود سہارے کی ضرورت ہے۔“ اندر سے میں ڈر بھی رہا تھا کہ کہیں وہ بدل ہی نہ جائے۔

”ولی پلیز۔ پلیز مجھ سے شادی کر لو۔ تم ابھی بھی بالکل پرفیکٹ ہو میرے لیے۔ اور۔ اور میں تمہاری آنکھیں بنوں گی۔“ وہ اسی انداز میں بولی۔ میرا دل سینے میں کبوتر کی طرح جک پھیریاں کھانے لگا۔

”یہ بہت مشکل ہے اذئی۔ بالکل ناممکن۔“ میں بے لچک انداز میں بولا۔

”کوئی بات ناممکن نہیں ولید! اور میں نے اسی سے بات کر لی ہے۔“ وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ اس کی نگاہ میرے چہرے پر تھی اور میں بالکل سامنے دیکھنے پر مجبور تھا۔ آنکھوں کی نعمت ہوتے ہوئے اندھے پن کی ایکٹنگ کرنا بہت مشکل کام تھا۔ اور میں تو ایکٹنگ میں زیرو تھا پتا نہیں کیسے بھرم قائم تھا۔ ورنہ اذئی جیسی ذہین لڑکیوں بے وقوف بنانا اور دھوکا دینا ناممکن تھا۔ معاملہ ہی اس قدر سنگین تھا کہ وہ کن فیوز ہو گئی

تھی۔ اوپر سے بیٹوں کے رویے نے اسے دماغ پر زور ڈالنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔

”کیا بات کر لی ہے اسی سے؟“ میں نے آہستگی سے پوچھا تو اس نے میرا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر نرمی سے دیا اور سر جھکا کر بولی۔

”سہی کس۔ میں تم سے شادی کروں گی۔ اور۔ وہ بالکل راضی ہیں۔“
وہ یوں شرمارہی تھی جیسے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اور واقعی میں دیکھ رہا تھا۔ میں بمشکل خود کو جوشیلا سمرو لگانے سے باز رکھ سکا۔

”لیکن میں۔۔۔“ میں نے جان بوجھ کر اس کا دل توڑنے والی بات کہنا چاہی مگر وہ میری بات کاٹ گئی۔
”دیکھو! اب معاملہ سپریم کورٹ تک پہنچ چکا ہے۔ اور تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اب جج ہی فیصلہ کریں گے۔“

خوشی کی لہریں میرے پورے وجود میں دوڑا تھیں۔
کتنی آسانی سے وہ میری ہو رہی تھی۔ اب تو یہ سب آسان ہی لگ رہا تھا۔

رات کو میں نے واصف سے فون پر بات کی اور بڑے تفاخر سے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اس نے مبارک باد دینے کے بعد کہا۔
”ویسے یار تو صرف ہمدردی سے مطمئن ہو جائے گا کیا؟“

اس کی بات پر میں الجھ گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اگر اسے تم سے محبت ہوتی تو وہ تم بالکل پرفیکٹ تھے تب وہ تمہارا پروپوزل قبول کرتی۔ اب جب کہ مصنوعی ہی سہی مگر تم اندھے ہو چکے ہو تو اس کا تم سے شادی کرنا محض ہمدردی ہی کا جائے گاناں۔“

اس کے سفاکانہ حد تک سچے تجزیے نے اندر کو مجھے چپ کرادیا۔ یہ سب تو میں نے پہلے ایک

میں نہیں سوچا تھا۔
”لیکن یار اتنے لوگوں کی شادیاں ہوتی ہیں ان سب میں پہلے سے تو محبت نہیں ہوتی۔ کئی تو ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بھی نہیں ہوتا مگر بعد میں ان کی محبت پھیلی ہوتی ہے۔“ میں نے فوراً خود کو سنبھالا۔

”وہ بڑی لوکھی شے ہے۔ اسے تو غالباً محبت کے جے بھی نہیں آتے۔ یاد ہے تل اس کا نظریہ تھا کسی بھی ایسے شخص سے شادی کرنا جس میں کوئی کمی ہو۔ اب وہ شخص کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ اور پھر یہ سوچو کہ جو لڑکی اپنے نظریے کی اس قدر پکی ہے وہ جب تمہاری اصلیت کو جانے کی تب کیا طوفان اٹھائے گی؟“ وہ بہت سنجیدہ تھا۔ اس کی باتیں مجھے جھنجھلائے لگیں۔

”یہ تو ایک بل کی بات ہوتی ہے یار۔ میں بھی تو ایک لمحے کے حصار میں آگیا تھا اسے بھی ہو جائے گی محبت۔“

”اللہ ایسا ہی کرے۔ آمین۔“
فون میں نے رکھ دیا۔ مگر اب واقعی میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔

یہ تو فطری بات تھی کہ اپنی محبت کے جواب میں مجھے اس سے بھی محبت ہی چاہیے تھی۔ اور یہ بات صاف ظاہر تھی کہ میں اس کے لیے ”کوئی بھی“ تھا۔ وہ صرف اس لیے میری بن رہی تھی کہ وہ میرا ”سب کچھ“ بن سکے اور میں اس کے بغیر کچھ نہ ہوں۔ ہر سو اس کی واہ واہ ہو۔ میں نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یہ باتیں میں نے پہلے کیوں نہیں سوچیں۔ واقعی واصف صحیح کہہ رہا تھا اگر اذئی کو مجھ سے محبت یا لگاؤ ہی ہوتا تو وہ پہلے ہی مجھے قبول کر لیتی۔ اس کا یہ فیصلہ اب تو سرا سرا اپنا علم بلند کرنے والی بات تھی۔ بے شک میں مصنوعی ہی سہی مگر دنیا کی نظر میں تو سچ سچ کاندھا تھا۔ کیا اسے مجھ سے محبت ہو جائے گی یا وہ محض ہمدردی اور ترس ہی کی بھیک دے گی مجھے؟

سوچ سوچ کر میرا سر درد سے بھٹنے لگا۔ شاید وہ احساس جرم میں مبتلا ہو کر راضی ہوئی

ہو۔
مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ڈیڈی انکل اور پھوپھو۔ میں پہلے ہی ساری بات کر چکا تھا۔ اب انکار کسی طور ممکن نہیں تھا۔

وہ بڑی شان سے رخصت ہو کر آئی تھی۔
میرے لیے۔
اگر سب کچھ وہی ہوتا تو میں بہت خوش ہوتا۔ مگر اب بات وہ نہیں رہی تھی۔

میں نے واصف کی باتوں کو گزرے دنوں میں بہت سوچا تھا۔ اگر میں خود کو دھوکے میں رکھ کر نئی زندگی کی شروعات کر دیتا تو خالص مزے میں رہ سکتا تھا۔ مگر میں نے بہت غیر جانبداری اور ایمانداری سے اپنا تجزیہ کیا تھا۔ اور فیصلہ ایک ہوا تھا۔ میں محض اس کی ہمدردی نہیں چاہتا تھا۔

میں خود کو بہت خوش یوز کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ واصف کو بھی اپنے اندر ہونے والی اکھاڑ پچھاڑ کی میں نے ہوا نہیں لگنے دی تھی۔ مجھے خود پر بہت حیرت ہو رہی تھی۔

کتنا اچھا اداکار بن گیا تھا میں۔ یہ اداکاری ہی تو تھی کہ میں اپنی تمارے چینی کو اندر دباؤں اوپنے اوپنے قہقہے لگا رہا تھا۔ اور کسی کو میرے اندر کی خبر نہیں تھی۔ اسے پالینے کی سرشاری اپنی جگہ تھی مگر اسے بدگمانی کی دھول دھندلا رہی تھی۔

اور جب بیڈروم میں جانے کا وقت آیا تو مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی جبکہ واصف ہنسے جارہا تھا۔
”اوتے نہ تو مجھے دکھائی دیتا ہے اندھے کہیں کے“ تو اندر جا کے کیا کرے گا؟“ اس کی بے ہودہ گوئی پر میں نے مصنوعی غصے سے اسے دیکھا۔

”ذلیل انسان تیری ہی پلاننگ تھی یہ۔“
”آہ۔ اور وہ جو موصوف ٹکرس مار کر ٹراٹر میں سے شاید دودھ کی نہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے وہ بھی غالباً میں نے ہی پلان کیا تھا۔“ وہ طنزیہ انداز میں چمک کر بولا۔

”اس سے تو اچھا تھا کہ میں گونگا بہرہ پا لنگڑا ہی بن جاتا۔ ان پر کم از کم دیکھنے کی پابندی تو نہیں ہوتی تھی۔“ میں نے مصنوعی کو بھری۔

”واقعی یار بولی۔ سب اس موقع پر بیوی کی تعریفیں کرتے ہیں۔ مجھے کیا کرنا ہے۔ چل رہے دے۔“ وہ بڑے متفکرانہ لہجے میں بولتا مجھے سخت خبیث لگا۔ مجھے کافی دیر تنگ کرنے کے بعد وہ ہنستا ہوا چلا گیا تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔

اب میری پوری سوچ اذنی پر مرکوز تھی۔ گزرے دنوں کے ہر بل میں نے اسے سوچا تھا۔ اسے بے تحاشا محسوس کیا تھا۔ اپنے آس پاس اپنے کمرے میں۔

اور آج وہ میری بن کے میری خاطر اپنا پور پور سجالے میرے کمرے میں حوا نظر آ رہی تھی۔

واصف کی باتوں کی روشنی میں جب میں نے اپنا تجزیہ کیا تھا تو حقیقتاً میں نے یہی محسوس کیا تھا کہ میں اس طرح کی دوغلی زندگی سے خوش نہیں رہ سکتا۔ یعنی میں اس سے محبت کروں اور جواباً وہ مجھے ہمدردی سے نوازے۔ اور دوسرے یہ کہ ایک ایسی لڑکی کے ساتھ ساری زندگی گزارنا جو ”کسی سے“ بھی شادی کر کے خوش رہ سکتی ہے میرے لیے قطعی طور پر ناممکن تھا۔ وہ خود کو میرے لیے ”سب کچھ“ بنانا چاہ رہی تھی اور مجھے اپنا ”کچھ بھی“ بنانے کو تیار نہیں تھی۔

یہ سب میں نے سوچا تھا۔ بہت افلاطونی فیصلے کیے تھے میں نے۔ یہ کروں گا، وہ کروں گا، فلاں ڈھمکال وغیرہ مگر اب جب رات کی خاموشی چھا چکی ہے۔ ہر طرف سناٹا اور تنہائی ہے تو رگ جال بس اسی کو پکارے جا رہی ہے۔ میں کمرے کی طرف بڑھا۔

داغ نے گھر کا رک جاوید حیدر۔ یہ تیرے شایان شان ہے ہی نہیں۔ قدم ٹھکے تو دل فوراً ”مدد کو“ لپکا۔ یہ محبت ہے ولید حیدر اور محبت کا کلام دینا ہوتا ہے۔ صرف دینا۔ داغ تپ گیا۔ یہ دل تو سودا کی ہے ہزاروں کو رسوا کیا اس نے۔ نہیں۔ ہاں۔

نہیں۔ ہاں۔ دل و دماغ کی اس بحث میں میں مدحیال ہونے لگا۔ تب ان دونوں نے اپنا متفقہ فیصلہ سنایا۔

”ٹھیک ہے۔ آزما دیکھو اسے بھی۔ کب تک کرے گی ہمدردی؟“

اور پھر اپنا دل جلاتا ہے کچھ ان کو آزماتا ہے۔ اب کوئی پڑے ہو اس آگ کے دریا میں تو پھر جذبات کی پتواری سے محبت کی اس کشتی کو ٹھیسے ہوئے اس پار جانے کی کوشش کر ہی ڈالو۔ ہو سکتا ہے راہ میں اور ”مسافر“ بھی مل جائے۔

میں دروازے کی چوکت پر کھڑا تھا۔ فیصلہ ملے ہی دل و دماغ کچھ پرسکون سے ہو گئے میں بہت محتاط انداز میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

ایک تو اندھوں کی ایکٹنگ کرتے ہوئے مجھے شرم بہت آتی تھی۔ شاید وجہ یہ تھی کہ میں سب کچھ دیکھ سکتے کے باوجود اندھا بننا ہوا تھا۔

وہ بند پر موجود نہیں تھی۔ میں بھونچکا رہ گیا۔ بمشکل خود کو ادھر ادھر نظریں دوڑانے سے باز رکھ کر میں ”اندازاً“ بیڈ تک پہنچا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ کہیں چھپ کر مجھے دیکھ رہی ہے اس لیے مفت میں زائد ایکٹنگ کرنی پڑ رہی تھی۔

”اذنی۔“ میں نے اسے پکارا مگر کوئی رسپانس نہیں ملا میں جھنجھلائے لگا۔

اب کیا کرتا اسے ایک دم سے آوازیں تو دے نہیں سکتا تھا جب تک بستر پر اس کی موجودگی یا غیر موجودگی کا یقین نہ کر لیتا۔

میں نے جان بوجھ کر بستر پر ہاتھ پھیرا۔ ہو سکتا ہے اسے میری ایکٹنگ پر کوئی شک پڑ گیا ہو۔ میری جھنجھلاہٹ برہہ گئی یہ سوچ کر اور غصہ آنے لگا کہ خدا خواستہ اگر میں سچ بچا ہوا ہوتا تو وہ میرے ساتھ یہی ڈراما کرتی تو پھر میرا کیا حال ہوتا۔

میں نے غصے سے جوتے اتار کر ادھر ادھر سے لپکے اور بستر پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

اپنے بازو پر نرم سی گرفت محسوس کر کے میں نے بے ساختہ بازو پرے کیا تو میری نظریں اس کے شفاف چہرے پر جم سی گئیں۔

اتنی قربت کا بھلا میں نے کب سوچا تھا۔ بہت بری جگہ پر میں پھسلنے والا تھا، بہ سرعت سنبھلا اور اٹھ بیٹھا۔

”اذنی۔ کہاں تھیں تم؟“

میں نے فوراً ”نظریں گھمائیں جو اس کے مقناطیسی چہرے کی طرف مچھنی چلی جاتی تھیں۔ میرے دل کو جیسے کسی نے منہ میں لے لیا تھا۔ وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔ لبوں پر لب اسٹیک تک اس نے نہیں چھوڑی تھی۔ وہ میرے بالکل پاس تھی۔ میں نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما پھر ایک ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرا۔ وہ خود میں سمٹ سی گئی۔

”تم نے کوئی زبور نہیں پڑھا؟“ میں سنجیدہ تھا۔ ”پڑھتے تھے۔ لیکن بہت الجھن ہو رہی تھی۔ تم تو جانتے ہی ہو میں کبھی اتنا تیار نہیں ہوتی۔ بس فرصت ملے ہی سب کچھ الگ کر دیا۔“

وہ بہت نرمی سے بولی تو میں ہاتھ پیچھے کھینچ کر نیم دراز ہو گیا اور اس کی طرف سے کروٹ بدل لی۔

”نہوں کو کہ اس لیے سب کچھ ختم کر دیا کہ میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا، تمہاری تعریف نہیں کر سکتا۔“ میں بہت خفی سے بولا تھا۔

مجھے اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ حد نہیں۔ یعنی کہ کمال ہو گیا۔ میری زندگی کی اس قدر اہم رات تھی اور میں اس کا وہ روپ بھی نہیں دیکھ پایا جس کا صرف میں حق دار تھا۔ جو فقط میرے لیے اس نے رچایا تھا۔

حالانکہ ایک نظریے سے دیکھا جائے تو یہ اس کا بالکل صحیح اقدام تھا۔ بالفرض میں واقعی ناپیدا ہوتا تو اس کا یہ روپ یہ سنگھار بے کار ہی ہوتا بلکہ مجھے احساس ندامت کا شکار ہونا پڑتا کہ میں اس کو دیکھ نہیں سکتا۔

”کیوں کہ میں جانتی ہوں تمہیں میری تعریف کے لیے میرے سنگھار کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ رسائیت بھرے لہجے میں بولی۔

”مگر میں ٹھیک ہوتا تو تم بھی یوں نہ کرتیں۔“
میں نے خفگی سے کہا۔

جیسی میں نے اپنی پشت پر اس کا نرم و پریش بوجھ محسوس کیا۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے بالوں میں پھنسا کر نرمی سے جھٹکا دیا اور میرے کان میں سرگوشی کی۔

”تم بہت فضول باتیں کر رہے ہو۔“
اس کے اس قدر قرب سے میرا وجود سنستا اٹھا۔
میں نے بہ سرعت کروٹ بدلی تو وہ میری بانہوں میں آگئی۔
اب اس کے پٹانے کی باری تھی۔

✱ ✱ ✱
اگر میرے اندھے پن کی ایکٹنگ کو الگ کر کے دیکھا جائے تو میری زندگی اس قدر زبردست اور خوش گوار ہو گئی تھی کہ بس۔

وہ میرے لیے ”نشہ“ بن کر رہ گئی تھی۔
مگر اب اس اداکاری سے میں تنگ آنے لگا تھا۔
اس کی وجہ سے میرا بہت نقصان ہو رہا تھا۔ میرا ہنی مون ٹرپ کینسل ہو گیا تھا۔ میں بس گھر میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ تو بڑی بڑی باتیں تھیں ان کے علاوہ جو نقصان تھا وہ یہ کہ جب وہ مجھے بہت اچھی لگتی یا تک رسک سے تیار ہوتی تب میں بے اختیار اس کی تعریف نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ میں تو اندھا تھا۔

سب کا خیال تھا کہ اب تو شادی ہو چکی ہے اب اس ڈراما بازی کو ختم کر دینا چاہیے مگر میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے ہمدردی کرتی ہے یا اس کے دل میں میرے لیے واقعی جگہ ہے۔

واصف نے اس کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی مگر میرے دل میں اس کی انہی باتوں کی کسک تھی۔ اور اس کسک کو بڑھاوا تب ملا جب اس کا خود پسندانہ رویہ میرے سامنے آنے لگا۔

اذی کی بیسٹ فرینڈ زمرہ آئی تھی اور وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتوں میں مگن تھی۔ میں

اندر گیا تو اذی نے فوراً ”اٹھ کر مجھے صوفے پر بٹھایا۔ ایک تو اس کی توجہ دوسروں کے سامنے مجھے شرمسار کر دیتی تھی۔“

”اور آپ کا کیا حال ہے رملہ؟“ میں خوش دلی سے پوچھنے لگا۔

”بالکل ٹھیک۔ آپ سائیں ولید بھائی آپ تو خوش ہیں ناں؟“ وہ ہنسی تھی۔ ابھی میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ اذی بول اٹھی۔

”یہ خوش کیوں نہیں ہوں گے۔ صبح سے شام تک میں ان کا خیال رکھتی ہوں۔ کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتی۔ اخبار پڑھ کے سناتی ہوں حتیٰ کہ بکس بھی۔“

اوه میرے خدا۔ یہ اذی تھی۔ مجھے جھٹکا سا لگا۔ اس کی آواز میں سادگی مگر چہرے پر غم زدہ سے تاثرات تھے۔

”یہ تمہاری عظمت ہے اذی ورنہ خوب صورت بڑھی لکھی اور آسائشوں میں پلی لڑکی کے لیے ایسا فیصلہ کرنا ناممکن سی بات ہے۔“

رملہ نے فوراً ”اس کو سراہا۔ پھر میری تائید جاری۔“

”کیوں ولید بھائی؟“

”ہاں۔“ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”یہ تو اذی کا احسان ہے مجھ پر۔“

میرا خیال تھا کہ وہ اس جملے پر رری ایکٹ کرے گی مگر وہ ایسے خاموش تھی جیسے میری بات میری سوچ ٹھیک ہو۔

اور اس کے بعد میں اس کی ہر بات نوٹ کرنے لگا۔

وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے اس کے بغیر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اور وہ مجھے نہ اپنائی تو میرا ہاتھ نہیں کھینچتا۔ تو کیا وادصف واقعی سچ کہہ رہا تھا؟ میرے دل کو کچھ کوئی دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”ان کی خاطر تو میں امی کی طرف بھی نہیں ہالی۔ اب اور گھر میں ہے ہی کون ان کی دیکھ بھال کے لیے۔“

اس کی آواز اور لہجہ بالکل عام سا تھا۔ اصل تاثرات تو اس کے چہرے پر تھے۔ شاید اس لیے کہ میں اس کی دانست میں ”اندھا“ تھا۔

رملہ نے کچھ بولے بغیر ہمدردی سے اسے دیکھتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔

”سب لوگ تمہاری تعریفیں کرتے ہیں۔“

”خیر۔ یہ تو میں نے بھی نہیں چاہا۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں ولید کی ہر طرح سے دیکھ بھال کروں۔“ وہ چپکے چہرے کے ساتھ بہت نرمی سے بولی۔

میرے اندر جس بڑھنے لگا۔ کھنکھن حد سے زیادہ محسوس ہوئی تو میں اٹھ گیا۔

یہ کیا ہو گیا؟

اذی ایسی تو نہیں تھی۔ اور پھر میں تو اس کا دوست تھا۔ اور اب شوہر ہوں۔ وہ کیوں ایسا کر رہی ہے۔ سب کو اس نے بتا رکھا تھا کہ وہ میرا کتنا خیال رکھتی ہے۔ یہ خود نمائی و خود پسندی نہیں تو اور کیا تھی؟

تو کیا وہ مجھ سے صرف ہمدردی کی بنا پر۔۔۔؟

اور میری وارفتگیوں۔ کیا وہ پتھر میں چونک

لگانے کو کافی نہیں؟

میں ہاتھ روم سے نکل کر بستر پر آیا۔ کتکھوں سے میں نے دیکھا وہ سنکھل صوفے پر بیٹھی کسی میگزین میں مگن تھی۔ دس بج رہے تھے۔ میں بستر پر نیم دراز ہو گیا۔

”اذی۔۔۔ کہاں ہو؟“ میں نے حسب معمول آنکھیں موندتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں۔۔۔ یہیں ہوں۔“ وہ بے توجہی سے بولی تھی۔

”اب ابھی جاؤ یا رملہ۔ نیند آرہی ہے مجھے۔“

”تم سو جاؤ۔۔۔ میں یہ ذرا وارڈ روب سیٹ کر رہی ہوں۔“ اس کے جواب پر میرا دل غمگین ہو گیا۔ میں نے بے ساختہ آنکھیں کھول کر دیکھا وہ بدستور میگزین میں مگن تھی۔ کتنا دل کو چیر دینے والا احساس تھا۔ وہ کیا کر رہی تھی میرے ساتھ۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور سر

دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

”آریو آل رائٹ ولید؟“ وہ فوراً ”میرے پاس آکر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر لہجے میں پریشانی سمو کر بولی۔ میرا دل چاہا اس کا ہاتھ جھٹک دوں مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں ابھی اس کا اصل روپ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد میں ایسا فیصلہ کرنا کہ وہ خود بھی کانپ کر رہ جاتی۔

”ٹھیک ہوں۔ تم جا کر وارڈ روب سیٹ کرو۔“ میں سر و سپاٹ لہجے میں بولا۔ میرا خیال تھا کہ وہ چپ رہ جائے گی۔ مگر وہ بڑے دلربانہ انداز میں میرے شانے پر ٹھوڑی ٹکا کر بولی۔

”وہ تو ہو گیا۔ باقی صبح کرلوں گی۔ ابھی نو روٹھے ساجن کو مٹانا ہے۔“

اگر نارمل حالات ہوتے تو اس کے اس اظہار پر میں شاید پاگل ہی ہوا اٹھتا اسے اتنا پیار کرنا کہ اس کا تن من سیراب کر دیتا۔ مگر اب اس کے یہ الفاظ مجھے اپنا مذاق اڑاتے محسوس ہو رہے تھے۔

میرے دل میں شور مچا گیا تھا۔ اس قدر بے قدری اور بے ہوشی۔

”تم ابھی جا کر اپنا کام ختم کرو۔ میں سوؤں گا اب۔“

میری آکٹا ہٹ اور بے زاری بھانپ کر اس نے مزید پیش قدمی نہیں کی اور بڑی بے پروائی سے شانے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے تو مجھے شاید بھکاری سمجھ لیا تھا۔ جب فیاضی کا موڈ ہوا بھیک دے دی۔ جب جی چاہا دھتکار دیا۔

میری حیرت اور دکھ کا احساس ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ میں نے سلگتے ذہن اور تپتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا وہ بہت بے پروائی سے دوبارہ اپنی مصروفیت میں مگن ہو چکی تھی۔

اس کے کئی روپ لہجہ بھر میں میری نظروں کے آگے گھوم گئے۔

مگر کوئی بھی ایسا روپ تو نہیں تھا۔

اس قدر دل کو دکھانے والا۔ رگوں میں اذیت بھر دینے والا۔

رات بھر میں سوئی جاگتی کھینچت میں رہا۔ وہ مجھے نہانے بھرکی اذیتیں سوئپ کر مزے سے سو رہی تھی۔ یہ اس طرح بے رحمی سے منہ موڑ کے سونے کی راتیں تو نہیں تھیں۔ اور ابھی تو بمشکل ایک ماہ ہی ہوا تھا۔ میں نے کیلے بالوں میں ہیر برش پھیرتے ہوئے اس سے شرٹ مائی۔ پینٹ اور بنیان میں پین چکا تھا۔ اس نے اطمینان سے وارڈ روپ میں سے پنک لائننگ والی شرٹ نکال کر مجھے لا تھمائی۔ یہ میری ناپسندیدہ ترین شرٹ تھی۔ اور یہ بات اسے اچھی طرح معلوم تھی۔

”میری پینٹ کون سے کلر کی ہے؟“ میں نے جان بوجھ کر پوچھا اب صاف تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ پنک شرٹ میں میں پہنوں گا۔

”ڈارک براؤن۔“ وہ دلجمعی سے اپنے پڑے پر پس کرتے ہوئے سرسری انداز میں بولی۔

”تو پھر تم نے شرٹ براؤن لائننگ والی نکال ہے؟“ میں نے پوچھا تو اس نے ایک نظر میری طرف ڈال کر اکٹھاٹ آمیز انداز میں سر ہلایا۔ پھر یقین سے بولی۔

”ہاں۔ وہی ہے براؤن لائننگ والی۔“

میں سن بیٹھا رہ گیا۔

یہ کیا کھیل وہ میرے ساتھ کھیلنے جا رہی تھی۔ اس قدر خود غرضی؟

اس دن میں نے سنجیدگی سے اس کی حرکتوں کا تجزیہ کیا تو اندازہ لگایا، واصف بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے محبت کے ججے بھی نہیں معلوم۔ اسے بس کسی کی لاشی بننے کا شوق تھا اور سرکل میں خود کو منوانے اور اپنی واہ واہ کروانے کا شوق تھا۔ میں اس کے لیے محض ایک شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کا ذریعہ تھا اور بس۔

میرا دل بالکل خالی ہو گیا تھا۔

اس کے لیے میرے دل میں نہ تو محبت رہی تھی اور نہ نفرت۔ یہ سب میرا قصور تھا۔ میں شروع دن سے اس کے نظریے سے واقف تھا اس کے باوجود میں اس آگ میں کود پڑا تھا۔ واصف نے مجھے اچھی طرح

خبردار کر دیا تھا کہ اس جذباتی اقدام کے بعد میرے ساتھ کیا ہوگا۔ مگر میں تو بس اس ایک پل کے حصار میں گھرا اس کو پانے کی تک وہ وہ میں مصروف تھا۔

جب ہم کسی حلوے کا شکار ہوتے ہیں یا کسی دکھ کے حصار میں ہوں اور ہمیں علم ہو کہ آج دکھ ہے کل سکھ ہوگا اس سے زندگی گزارنا آسان ہو جاتی ہے اسی آس میں دکھ کا احساس کم ہو جاتا ہے مگر جب علم ہو جائے کہ ہمیشہ اسی دکھ اسی حلوے کے نتیجے کو بھگتنا ہی ہمارا نصیب ہے تو پھر ایک ایک سانس بھاری لگنے لگتی ہے زندگی کھینچ کر گزارنا پڑتی ہے۔ ہر دن اس قدر یکسانیت لیے ہوئے ہوتا ہے کہ زندگی کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا اور زندگی تو قہر کا نام ہے۔ بالکل کا نام ہے۔ اور پھر میرے جیسا شخص جس نے کبھی بچلا بیٹھنا سیکھا ہی نہ ہو اس کے لیے زندگی کا یہ رخ بہت بھیانک تھا اور یہ شاید مجھ پر قدرت کا کرم رہا تھا کہ آج تک میرا واسطہ جن لوگوں سے نہ پڑا رہا ہے وہ دو غلے نہیں تھے۔ میرا حلقہ احباب بے حد اچھے لوگوں پر مشتمل تھا۔ شاید قسمت کی یادوری یہیں تک تھی۔

کس قدر تکلیف وہ احساس تھا کہ اس کی نظر میں میری کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

میں اسے بلا ارادہ اپنے اختیار چاہتا تھا اور وہ محض اپنے نظریے کو پورا کر رہی تھی اپنی ضد بھاری تھی۔

میں اگر چاہتا تو شادی والے روز ہی اسے اپنے ڈرامے سے متعلق بتا سکتا تھا مگر میں صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ روئے پچھتائے۔ مگر اب میں پچھتا رہا تھا۔ اس نے تو فریڈ شپ تک کا خیال نہیں کیا تھا۔ وہ مجھے اپنا دوست کہتی تھی مگر اب تو مجھ پر سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ وہ صرف خود کو عظیم بنانا چاہتی تھی اور یہ میری بیوقوفی تھی کہ میں لاعلمی میں ہی سہی مگر اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

میں بچپن سے اسے جانتا تھا اور میرا اس سے متعلق خیال یہی تھا کہ وہ تمام تر ضد اور اکڑ کے ایک اچھی لڑکی اور بہترین دوست ہے۔

مگر بعض اوقات ہم لوگ فیصلہ کرنے میں

طاہر بازی اور غلت سے کام لیتے ہیں۔ میں ہمیشہ سے جذباتی رہا تھا۔ اب میں سوچتا تھا تو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں تو اسے جانتا ہی نہیں تھا۔ اس نے اپنا جو رخ میرے سامنے رکھا تھا وہ ایک کزن ایک دوست تھا۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اسے جانچے بغیر اس کی شکل و صورت کو جمع کر کے اپنے اندازے سے ضرب دی اور اس کی شخصیت نکال لی۔ اس کی اصل شخصیت وقت اور تجربے نے مجھے دکھائی تھی۔

میں اس قدر بھرا ہوا تھا کہ بس اب ذرا سی ٹھیس لگنے کی دیر تھی۔ پچھلا ایک ہفتہ میں نے اس قدر سوچ کر گزارا تھا کہ میں خود پاگل ہو جانے کے خوف سے گھبرا اٹھا۔ میرے اعصاب اس قدر کشیدہ اور دماغی حالت اس قدر منتشر تھی کہ مجھے خوف آنے لگا کہ کہیں میں اسی حالت میں کوئی جذباتی و سنگین فیصلہ نہ کروں۔ اور وہ بالکل مطمئن و خوش باش تھی۔ ہمیشہ کی طرح۔

ایک ہفتے سے میں اس کی طرف سے مکمل بے اعتنائی اور بے پروائی برت رہا تھا مگر اسے کوئی احساس نہیں تھا اور آج پورے ایک ہفتے کے بعد میں نے اسے پکارا تھا۔

”اُڑی۔“

وہ فلور کشن پر نیم دراز فیشن میگزین میں مگن تھی اور میں سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ ابھی ٹھوڑی دیر پہلے پھوپھو اور انکل ہو کر گئے تھے۔ اور ڈیڈی کے ساتھ کبھی میٹنگ ہوئی تھی۔ مجموعی طور پر آج کا دن اچھا گزرا تھا۔

”ہوں۔“ میری دوسری آواز پر اس نے سر اٹھائے بغیر بے توجہی سے کہا تھا۔ میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا تھا۔

”اُڑی میں تمہیں بلا رہا ہوں۔“

”ہیں ہوں نا میں بولو کیا بات ہے؟“ اب کی بار اس نے میگزین بند کر کے میری طرف دیکھتے ہوئے رمان سے کہا۔

”اُڑی۔ تم مجھ سے آتا تو نہیں گئی؟“ میں نے

بے اختیار پوچھا تھا اور میرے بچے میں پتا نہیں می کہل سے آگئی تھی۔ میں خود حیران رہ گیا کیوں کہ پچھلے دنوں میں میں اپنے تئیں دل کو نواہنا چکا تھا۔

”یہ کیسی باتیں کرنے لگے دلی؟“ وہ بڑی خفگی سے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اُڑی۔ تیرا یہ تکلیف دتا ہے جو دل میں گزارا جائے جو چہر کر نکل جائے وہ تو لذت و تکلیف سے نچلتا دلا دتا ہے اور تمہارا رویہ میرے دل میں گڑ کے رہ گیا ہے۔“ میں رنجیدگی سے بولا تو وہ استعجاب کے مارے مجھے دیکھتی رہ گئی۔ میں اٹھ کر دو قدم اس کی طرف بڑھا۔

”تم کیا سمجھتی ہو کہ میں اندھا ہوں تو مجھے کچھ پتا نہیں چلتا۔ نہیں اُڑی حبیب۔ میں آنکھوں کا اندھا ہوں عقل کا نہیں۔ مجھے سہارا دے کر جس طرح تم نے واہ واہ سمیٹی ہے اس پر واقعی واہ واہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن تم میری نظروں میں بہت چھوٹی ہو گئی ہو اُڑی۔ ان لڑکیوں سے زیادہ گری ہوئی جن سے میں قہرٹ کرتا تھا اور جو حد سے زیادہ آزادی سے لڑکوں سے میل میلاپ رکھتی ہیں۔“ میں اس قدر اشتعال میں تھا کہ جو منہ میں آیا کہہ گیا۔ مگر اس نے چند لمحے ہی میری بات سنی پھر اس کی برداشت جواب دے گئی تو وہ چلا اگئی۔

”نکو اس مت کرو ولید۔ گرے ہوئے تو تم ہو جو میرے متعلق ایسی گھٹیا اور بچ باتیں کر رہے ہو۔“

”حقیقت ہمیشہ سچ ہوتی ہے۔“ میں سلگ اٹھا۔
”ظاہر اسی کے سامنے ہوا جاتا ہے جو خود فیہریم
کھینے کا عادی ہو۔“

وہ خود پر قابو پا کر اب بڑے اطمینان سے بولی تو میں
نے آگے بڑھ کر وحشیانہ انداز میں اس کو شانوں سے
جکڑ لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غراہٹ
آمیز لہجے میں کہا۔

”دھوکا تم نے دیا ہے مجھے، میں نے تم سے محبت
کی تھی اذنی۔“

اس نے مجھ سے نظریں نہیں چرائیں بلکہ چند
لمحے یونہی میری آنکھوں میں دیکھتی رہی اس کا تنفس
تیز ہو رہا تھا۔ پھر اگلا لمحہ میرے لیے بہت حیران کن
تھا۔ وہ جو دو سروں کو تڑپانے میں کمال رکھتی تھی اپنے
ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔ میں لب بلبچ کر رہ گیا۔
پھر میں نے دانت کچپا کر کہا۔

”یہ ڈرامے بازیاں مت کرو میرے سامنے۔“
میں نے اس کا وہ روپ دیکھا تھا کہ اب اس ڈرامے کا
اثر مجھ پر نہیں ہو رہا تھا۔

”ڈرامہ باز تو تم ہو۔۔۔ دل۔۔۔“ وہ اچانک چیخ کر بولی
اور میرے ہاتھوں کو جھٹک کر پیچھے ہٹی۔ اس کی ڈھٹائی
پر مجھے غصہ آگیا۔

”تم اتنی گھٹیا ہو یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تم
نے میرے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی ہے۔“ میں بھی اسی
لہجے میں بولا۔

”پنا الزام مجھ پر مت لگاؤ میں نے تمہیں چاہا تھا
ولد۔“ وہ آستینوں سے آنسو پونچھتے ہوئے پر احتجاج
لہجے میں بولی مگر میں اس کے چکر میں آنے والا نہیں
تھا۔

”تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد
مجھے یہ سوچ کر ہی شرم آتی ہے کہ میں نے تم سے
محبت کی تھی۔“ میں زہر خند لہجے میں بولا۔ تو وہ چلا
اٹھی۔

”اور تم۔۔۔ تم نے کتنی گری ہوئی حرکت کی ہے
میرے ساتھ۔ میں اول روز ہی جان گئی تھی کہ تم

بالکل ٹھیک ہو۔ جس طرح کی ایکٹنگ تم نے اس ڈیڑھ
ماہ میں کی ہے وہ میرے لیے نئی بات نہیں۔ تم اسکول
اور کالج کے زمانے میں بھی ایسی فضول ایکٹنگ کرتے
تھے کہ سب کو پتا چل جاتا تھا کہ یہ ایکٹنگ ہے۔ اور
پھر اندھوں کو نہ تو میں نے کبھی ایکشن فلم سے محفوظ
ہوتے دیکھا ہے اور نہ ہی تمہاری طرح وہ ملکہ موسیقی
کے حسن و خوب صورتی میں کھوئے ہوتے ہیں۔“

اس کی جارحانہ گفتگو نے میرے اعتماد اور سب
سے بڑھ کر ذہنی خلفشار اور طیش کو اڑ چھو کر دیا۔ میں
بھول گیا تھا کہ میری پھوپھو کی یہ بیٹی اکلوتی ہونے کے
ساتھ ساتھ ذہین بھی ہے۔

خوب صورت بیویوں کے شوہر عموماً بیوقوف
ہوتے ہیں۔ میرے دل میں کہیں پڑھا ہوا جملہ لہرایا تو
میں سر جھٹک کر خود کو ذرا سنبھالنے لگا۔

وہ تیزی سے وارڈ روپ کی طرف بڑھی۔

”اور۔۔۔ اب۔۔۔ میں مزید برداشت نہیں
کر سکتی۔“ اس نے دانت پس کر کہتے ہوئے ٹنگرڈ پر
لٹکے ہوئے کپڑے بیڈ پر پھینکنے شروع کر دیے۔ میں
جیسے جھرجھری لے کر بے دار ہوا۔ فوراً آگے بڑھ کے
میں نے وارڈ روپ بند کر دی تو وہ غرائی۔

”پیچھے ہٹو۔“
میں اس کے اشتعال کو نظر انداز کرتے ہوئے
بڑی ملامت سے بولا۔

”تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی۔“ میرا لہجہ ایک
دم محبتوں سے بوجھل ہو گیا تھا۔ اس نے شعلہ بار
نظروں سے میری طرف دیکھا اور طنزیہ و استہزائیہ لہجے
میں بولی۔

”میں نہیں جا رہی۔ نہ تمہارے کپڑے ہیں۔ جانا
تم کو ہے۔“

اس کے الفاظ پر میں نے سٹپا کر دیکھا تو بستر
واقعی میری شرٹس اور سوٹ بکھرے ہوئے تھے۔ میں
جھل سا ہو کر سر کھجھانے لگا۔

وہ بہت ناراض تھی۔ مجھے اپنے کسے ہوئے الفاظ
پر ندامت ہو رہی تھی۔ مگر میں جانتا تھا کہ وہ لفظ

ندامت سے بات نہیں بننے والی۔ میں نے اسے
دھکیل کر اس کی پشت وارڈ روپ کے دروازے سے
لگادی اور اس کے دائیں بائیں ہاتھ جما کر اسے گھورنے
لگا۔

”اس میں سب تمہارا قصور ہے۔ اگر تم بات
کلینر کر دیتیں تو یہ سب نوبت نہ آتی۔“ میں نے سارا
الزام اس پر ڈال کر خود کو بچا لیا۔ مگر وہ میری طرف
متوجہ ہی نہیں تھی۔

”دیکھو وہ سب یکو اس میں اس ذہنی ڈسٹرینس کی
وجہ سے کر رہا تھا ورنہ تم سے کبھی میں ایسی بات نہیں
کر سکتا۔ آئی نو۔ تم اسی وجہ سے ناراض ہو۔
لیکن۔۔۔ یہ سب تمہارا قصور ہے۔“ میں نے اس کی
آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی تو حیران رہ گیا۔ اس
کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ میں بے قرار ہونے
لگا۔

”اذنی۔۔۔ روؤ مت۔“ میں نے اسے ہاتھوں میں
لیا تو وہ رو دی۔

”جی چاہتا ہے ساری عمر تم سے بات نہ
کروں۔ اگر واصل مجھے خبردار نہ کر چکا ہوتا تو اس
ڈیڑھ ماہ میں میں تمہیں یوں دیکھ کر مر گئی ہوتی۔“ وہ
بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”اور۔۔۔“ میں نے گہری سانس لی۔
”تو تمہیں واصل نے بتایا ہے؟“ میں نے اسے
سامنے کیا۔

”پہلے میں نے تمہیں دو تین دفعہ مودی دیکھتے
ہوئے دیکھا اور اس کے بعد میں نے واصل کی کھنچائی
کی۔ اس نے سوچا شاید تمہارا پول کھل گیا ہے اس
لیے خود ہی اس نے ساری بات کلینر کر دی۔“ وہ سول
سول کرتی میرے دل میں اترتی جا رہی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے بولنے لگی۔

”اور۔۔۔ تب میں نے سوچا کہ تم واقعی مجھے چاہتے
ہو۔ اور۔۔۔ شاید مجھے کوئی ادھورا انسان تو مل جاتا مگر پتا
نہیں وہ مجھ سے محبت کرتا یا میری محبت کو احسان اور
ہمدردی سمجھ کر بس سمجھوتے میں زندگی گزار دیتا۔“

”اور۔۔۔ وہ تمہارا جو نظریہ تھا اس کا کیا ہوا؟“ میں
نے اس کے بالوں کی آوارہ لٹ کو اس کے کان کے
پیچھے اڑتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

”بس۔۔۔ تمہاری فرزند زخم ہوئیں تو میرا نظریہ
بھی۔۔۔ وہ لب دانقوں تلے دبا کر رہ گئی۔ میرا دل خوشی
سے معمور ہو گیا۔“

”اف۔۔۔ تم پہلے سے مجھے چاہتی تھیں اور پاگل
لڑکی اگر میں سچ سچ اندھا ہو جاتا تو۔۔۔“ میں تو پاگل ہی
ہوا تھا اس کی دھوکا دہی پر۔

”میں کیوں اقرار کرتی؟ وہ تمہاری پریاں تو
تھیں۔“ وہ مسکائی تو میں مخمور ہونے لگا۔

”تم جانتی تھیں کہ میں دیکھ سکتا ہوں؟“

”تم ہمیشہ سے کریکٹر وائز مشکوک رہے ہو اور
مجھے دیکھ کر تمہاری آنکھیں چمک جاتی تھیں۔ مجھے
ڈیریس اپ دیکھ کر تمہاری آنکھوں میں ستائش اتر آتی
تھی۔ یہ تو بیوقوف بھی۔“

وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر ہنسی تو میں نے
مسکراہٹ دباتے ہوئے جھک کر اس کی آنکھوں میں
جھانکا۔

”ہوں۔۔۔ تو میری آنکھیں تمہیں دیکھ کر چمکتی
ہیں؟“

میرے انداز پر وہ سٹپا کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر میری
شرارت سمجھ کر اس نے اپنا سر میرے بازو پر ٹکا دیا۔
میرے دل میں انبساط و اطمینان کی لہریں دوڑ گئیں۔
میں نے نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا اور بے حد
سنجیدگی سے بولا۔

”میں۔۔۔ تم سے ایکسکوز نہیں کروں گا اذنی
کیوں کہ میں نے غصے میں ہی تپسی مگر جو الفاظ استعمال
کئے ہیں وہ بول زبانی کلامی معافی کے قابل ہی نہیں اس
کے لیے تو مجھے عملی تم سے۔“

اور پھر میرے جملے کے ختم ہونے سے پہلے ہی وہ
میری بات سمجھ کر جس طرح بدک کر مجھ سے دور ہٹی
اس پر میں بے اختیار ہنستا چلا گیا۔

